جمادی الثانی / رجب المرجب 1436ھ

اپریل 2015ء

ماہنامہ

المرشد

اللہ
رسول
محمد

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ رَبَّہٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ (متفق علیہ)

حضرت ابوموسیٰؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: کہ جو شخص اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو ذکر الٰہی نہیں کرتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ۔

جنوبی ہندوستان کی ایک مسجد

تصوّف

تصوّف کیا ہے؟

محبت ایک لطیف جذبہ ہے اور اس کا محل دل ہے یہ جذبہ نازک اور لطیف ہونے کے باوجود اتنا طاقتور ہے کہ محب سے بڑے سے بڑا کام کروا سکتا ہے۔ یہی وہ قوت ہے جو ایک کمزور سی چڑیا کو سانپ سے لڑا دیتی ہے جب وہ اس کے بچے کی طرف بڑھتا ہے، انسانی محبتیں تو پھر کیا کچھ نہ کر سکتی ہوں گی۔ محبت کے لیے نقطہ آغاز شناسائی ہوتا ہے اور محبوب میں تین خصوصیات میں سے کوئی ایک بھی وجہِ الفت بن سکتی ہے۔ یہ تین خصوصیات ہیں جمال، کمال اور نوال یعنی کسی کا حُسن انسان کو موہ لے یا کسی میں ایسا کمال ہو کہ اس کا گرویدہ بن جائے یا پھر کسی کی عطا اور مہربانیاں (نوال) ایسی ہوں کہ انسان اُس کی محبت کا دم بھرنے لگے۔ ان خوبیوں کی شناخت ہوتے ہی انسان اُس کی محبت میں لامحالہ مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس حیاتِ مستعار میں کتنی محبتیں انسان پال لیتا ہے اور اکثر مایوسی کا سامنا کرتا ہے کہ جس کے جمال کو چاہتا تھا وہ جمال ڈھل گیا، جس کے کمال کا گرویدہ تھا وقت نے اس کمال کو دھندلا دیا اور جس کے نوال کو سراہتا تھا وہ بھی کم ہو گیا۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ دل نے اصلی محبوب کو پہچانا ہی نہیں تھا۔ ایک ایسا محبوب بھی ہے جس میں جمال، کمال اور نوال بیک وقت موجود ہیں، جس کا جمال بھی لازوال و بے مثال ہے، جس کا کمال بھی اُس کا ذاتی جاوداں وصف ہے اور جس کے نوال کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ صدیاں بیت گئیں اور بیت جائیں گی لیکن اس کا دامن ہر آنے والے کو اپنی رحمت میں سمیٹنے کو موجود رہے گا۔ ہے کوئی ایسی ہستی جو اپنے آخری لمحے تک آنے والے ہر محب کے لیے صدیوں پہلے تڑپے؟ تو پھر اے لوگو! اپنے دلوں کا رخ اس محبوب ﷺ کی طرف کیوں نہیں کرتے؟ تمہیں تو صرف ایک بار اس محبوب ﷺ کو پہچاننا ہے جب پہچان جاؤ گے تو زندگی بھر اسی محبت میں تڑپو گے اس لیے کہ وہ ہیں ہی محبت کے لائق، محبت تو انہی کے لیے ہی ہے۔ پھر یہ محبت تم سے اطاعتِ محبوب ﷺ خود کرائے گی۔ تصوف دل کی آنکھ کو بینا کرنے کا نام ہے کہ وہ اپنے حقیقی محبوب ﷺ کی پہچان کے قابل ہو سکے اور جب محبوب ﷺ کا رخ انور دیکھ لے تو پھر اُن سے نگاہ اٹھا ہی نہ پائے گا۔ یہ معرفت پیغمبر ﷺ عشق جنون میں مبتلا کر دے گی اور انسان اُن کی نافرمانی کا تصور بھی نہیں کر سکے گا۔

تصوف اہل اللہ کی محبت میں دلوں کو صاف شفاف کرنے کا فن ہے تا کہ اس کے حواس بحال ہو جائیں اور یہ اپنے جذبات وہاں لٹائے جہاں اُن کو لٹانے کا مقام ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اپریل 2015ء، جمادی الثانی 1436ھ

جلد نمبر 36 شمارہ نمبر 08

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن مینیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرقی وسطی کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 سٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
طریقہ ذکر		5
کلام شیخ	سیماب اویسی	6
اقوال شیخ	انتخاب	7
شرح صدر	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	15
اکرم التفاسیر	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	20
سوال وجواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	28
مغرب کا فکری وتہذیبی چیلنج	ڈاکٹر محمود احمد غازی	33
خواتین کا صفحہ	ام فاران، راولپنڈی	39
طب	حکیم عبدالماجد اعوان، سرگودھا	41
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	42
غبار راہ	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	44
مسائل جمیلہ	مولانا محمود خالد، بہاول پور	50
Question and Answers Translated Speech	Ameer Muhammad Akram Awan MZA	52
A LIFE ETERNAL CH:24	Abul Ahmadain Translated: Naseem Mailk	57

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر: عبدالقدیر اعوان

ختم خریداری کی اطلاع
○ یہاں اس دائرے میں اگر کراس X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

سرکولیشن ورابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی روڈ ٹاؤن شپ، لاہور
Ph:042-35180381, Email:monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ منارہ ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org
Ph:0543-562200, Fax:0543-562198 Email:darulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔"

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا ۔۔۔ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (البقرۃ: 48 تا 50)

یہاں "اتَّقُوْا" بمعنی خوف ہے کہ اس عظیم دن سے خوف کھاؤ جس دن کوئی شخص کسی بھی شخص کا دکھ نہیں بانٹ سکے گا۔ نہ کسی سے سفارش کچھ سزا کم کرا سکے گا کہ کسی کافر کے حق میں سفارش قبول ہی نہ ہوگی۔

یاد رہے کہ یہاں خطاب کفار سے ہے لہٰذا مسئلہ شفاعتِ انبیاء سے متعلق نہیں کہ وہ صرف مومنین کے لیے ہے نہ وہ کافر کی شفاعت فرمائیں گے نہ اس کی اجازت ہوگی۔ بات چل رہی ہے ان بڑے بڑے کفار کی جن کی پیروی کرتے ہوئے یہ حق کو چھوڑے ہوئے تھے کہ یہ تمہارے کسی کام نہ آسکیں گے نہ تو تمہارا بوجھ بانٹ سکیں گے نہ سفارش کر سکیں گے اور نہ ہی قبول ہوگی۔ نہ کسی سے کوئی عوض قبول ہوگا کہ نافرمانی کے بدلے کوئی جرمانہ ادا کر کے چھوٹ جائے یا یہ لوگ تمہیں چھڑا لیں اور نہ تمہاری مدد کے قابل ہوں گے کہ طاقت استعمال کر لیں یا رُعب ڈال سکیں، غرض جتنے طریقے سزا سے بچنے کے تمہارے ذہنوں میں ہیں قیامت کے روز ان میں سے کوئی بھی نہیں چل سکے گا اور بجز ایمان کے کوئی چارہ کار نہیں۔ ایمان ایک ایسی نعمت ہے جس کے ہوتے ہوئے انسان اُمیدوارِ شفاعت بھی ہے نیز خلود نار سے بچنے کا وعدہ لیے ہوئے ہے اور تم ایمان سے خالی ہو حالانکہ تم پر، تمہاری قوم پر، تمہارے اجداد پر کس قدر عظیم احسانات فرمائے گئے۔

ذرا اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعونیوں سے نجات دی۔ یہ اس طرح ہوا کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے خاندان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر لے گئے تو یہ لوگ تقریباً 72 کی تعداد میں تھے حضرت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے وہاں دین کا دور دورہ اور عدل وانصاف قائم ہوا۔ یہ لوگ ایک طرح سے مقتداء بن گئے، مگر ان کے بعد یہ لوگ انحطاط کا شکار ہوئے پرہیزگاری چھوٹی اور پھر دین بھی گیا۔ اہل مصر بھی نہ صرف اللہ کو بھول گئے بلکہ حاکمانِ مصر اپنی خدائی کے دعوے دار بن بیٹھے جن میں سے حاکم جو عہد موسوی میں تھا۔ اپنے پہلوں سے بڑھ کر ظالم تھا اور بنی اسرائیل کی حالت اس قدر بدتر ہوئی کہ قبطی انہیں جانوروں کی طرح استعمال کرتے اور اُن سے خدمت کراتے جس کی کوئی اُجرت بھی نہ تھی۔ چھوٹا موٹا جو دے دیا وہی کھا لیا۔ نہ اُن کی عزت تھی نہ مال اپنا حتیٰ کہ ان کی جان کی بھی کوئی قیمت نہ تھی۔

فرعون کو نجومیوں نے بتایا یا اس نے خواب دیکھا اور انہوں نے تعبیر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری تباہی کا سبب بنے گا۔ تو اس نے بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کا حکم دے دیا کہ ان کے گھروں میں نرینہ اولاد رہنے ہی نہ دی جائے اور یہ سلسلہ سالوں تک جاری رہا حتیٰ کہ خود قبطی چیخ اُٹھے اور انہوں نے فریاد کی بنی اسرائیل کے بچے تو قتل ہو جاتے ہیں اور بڑی عمر کے لوگ مر رہے ہیں تو ہماری خدمت کون کرے گا۔ یعنی وہ ایسے بے وقعت ہو گئے تھے کہ ان کے قتل کا افسوس کسی کو نہ تھا۔ اپنی خدمت کے لیے فکر دامن گیر ہوئی۔ تو فرعون نے حکم دیا کہ ایک سال پیدا ہونے والے بچے قتل کر دیئے جائیں اور ایک سال جو پیدا ہوں وہ زندہ چھوڑ دیئے جائیں۔ چنانچہ حضرت ہارون علیہ السلام اُس سال پیدا ہوئے جو معافی کا سال تھا اور موسیٰ علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال بچے قتل کیے جاتے تھے۔ اُن کا واقعہ اپنی جگہ پر آئے گا۔

بہر حال یہاں یہ بات واضح ہوگئی کہ جو لوگ جتنے قریبی ہوں گے اگر وہ نافرمانی اختیار کریں گے تو آخرت میں تو عذاب ہوگا ہی دنیا میں بھی ذلت اُن پر مسلط کر دی جائے گی۔

اداریہ

صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (سورۃ الزمر آیت نمبر 30) ترجمہ: بے شک آپ کو بھی مرنا ہے اور یقیناً ان کو بھی مرنا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ ہستیاں ہیں کہ اللہ رب العالمین نے انہیں اتنا بلند مقام عطا فرمایا کہ معیتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفراز فرمایا اور میں سمجھتا ہوں کہ وصالِ نبویؐ کے دن اللہ کریم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خصوصی صبر عطا فرمایا کہ وہ ذات جس کی زیارت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شب و روز روشن تھے۔ جان، مال، آبرو سے لے کر اولاد، والدین اور اپنی ذات تک کوئی چیز اُس ہستی مبارکؐ سے بڑھ کر نہ تھی اُس دن کا صدمہ وہی ہستیاں جانتی ہیں۔ سوائے اللہ پاک کے اور کوئی ان کے اُس دکھ اور صدمے کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ جس لمحہ صحابہ کرام پر یہ قیامت ٹوٹی، جس کے زیر اثر حضرت عمر فاروقؓ جیسی ہستیاں دکھ کے اضطراب میں تلوار بے نیام کیے ہوش کھو رہی تھیں اس لمحے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پہ بوسہ دیتے ہوئے مندرجہ بالا آیہ کریمہ تلاوت کی اور اصحاب رسولؐ کے دلاسے کا سبب بنے۔

22 جمادی الثانی خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دارِ دنیا سے پردہ فرمانے کا دن ہے۔ آپؓ کا نام و نسب عبداللہ بن ابی قحافہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی القرشی التیمی ہے۔ آپؓ کی والدہ ماجدہ کا نام و نسب ام خیر سلمٰی بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ ہے۔

آپ وہ ہستی ہیں کہ جنہیں اللہ نے بچپن ہی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق عطا فرمایا۔ آپؓ وہ واحد ہستی ہیں جنہیں اللہ کریم نے مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی۔ آپؓ وہ واحد ذات ہیں کہ جب واقعۂ معراج کی بات پر نومسلم متزلزل ہوئے، اللہ نے آپؓ کو صدیق کا درجہ عطا فرمایا۔ آپؓ وہ واحد ذات ہیں جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتِ ہجرت اپنے ساتھ رکھا۔ آپؓ وہ واحد ذات ہیں کہ ایک لمحہ ایسا بھی تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ کے کندھوں پہ تھے اور باقی کائنات کو آپؓ کے وسیلے سے نبی کریم سے وجودی تعلق نصیب تھا۔ آپؓ وہ واحد ذات ہیں کہ جن کی پوری زندگی میں کہیں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؓ کی رائے تک کا اختلاف بھی آیا ہو۔ خواہ جنگ و حضر کے معاملات ہوں یا نظامِ خلافت کے آپؓ نے ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو ہی دیکھا۔ جان و مال کی قربانی ہو یا عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات، آپؓ ہی وہ واحد ذات ہیں کہ جن کے بارے نبی کریمؐ کے الفاظ مبارک کا مفہوم ہے کہ ابوبکر کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ ان کا بدلہ انہیں اللہ ہی عطا کرے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ذات ہیں کہ جس میں اللہ کریم نے چار پشتوں میں درجۂ صحابیت عطا فرمایا۔

آج عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہوتی ہے۔ عشقِ مصطفےٰؐ کی منزل صدیقِ اکبرؓ کے علاوہ اور کوئی ہو نہیں سکتا۔ وقتِ وفات وصیت فرمائی کہ میری میت روضۂ رسولؐ کے سامنے رکھ کے عرض کر دینا

هذا ابی بکر عند بابك یا رسول الله

اور جب میت رکھ کے یہ عرض کیا گیا تو ایک مجمع گواہ ہے کہ روضۂ اطہر کے دروازہ مبارک کے دونوں پٹ از خود کھل گئے اور آواز آئی۔

ادخلوا الحبیب الی الحبیب (تفسیر کبیر از امام فخر الدین رازی جلد 5، صفحہ 465)

تمام سلاسلِ تصوف حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہوتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی حاصل کرتے ہیں لیکن سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ پر اللہ کا یہ خاص انعام ہے کہ یہ سلسلۂ عالیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسط سے دربارِ رسالت تک رسائی حاصل کرتا ہے۔

احبابِ سلسلہ سے یہ گذارش ہے کہ اللہ نے ہمیں نبی کریمؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ذات میں وہ پہلا شیخ عطا فرمایا کہ انبیاء کرام کے بعد ایسی شان والی کوئی اور ہستی اللہ نے پیدا نہیں فرمائی اور آج صدیوں کی دوری کے باوجود اللہ کریم نے ایسا شیخ عطا فرمایا کہ جنہیں مناصب اولیاء اللہ میں آخری منصب صدیق عطا فرمایا ہے اور کیفیات کا ایک بحر ہے جو تقسیم ہو رہا ہے، کہیں میں اور آپ دنیا کے جھمیلوں میں کھو کر اللہ کی اس اتنی بڑی عطا کی ناشکری کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟ آؤ! کہ ہم ہوش کریں۔ سوچوں سے لے کر معمولاتِ دنیا تک، ذکر و فکر سے لے کر عبادت ظاہری تک اپنے آپ کو قرآن و سنت کا پابند بنائیں اور اپنے شیخ سے تعلق کو اُس اخلاص پہ مبنی کریں جو ہم جیسے گناہگاروں کی دربارِ رسالت تک رسائی کا سبب ہے اور ہم بالخصوص امتِ مسلمہ اور وطنِ عزیز اور بالعموم انسانیت اور دنیا کی بہتری کے لیے اہم کردار ادا کریں۔ دنیا کے حالات کیسے ہیں؟ کتنی اچھائی ہے؟ کتنی برائی ہے؟ کتنی بہتری ہے؟ کتنی خرابی ہے؟ یا کتنا نور ہے اور کتنی ظلمت؟ اس سارے میں میرے اور آپ کے کردار سے کیا تبدیلی رونما ہوتی ہے؟ اس سے غرض نہیں چونکہ یہ اختیار میرے اللہ پاک کا ہے۔ ہم سے سوال ہمارے کردار کا ہوگا۔

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔
ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرّم مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقہ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ للهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ O اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ O أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ O اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O پھر ذکر شروع کر دیں طریقہ نیچے درج ہے۔

پہلا لطیفہ: مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔

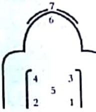

دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔ دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور سر پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوایوب محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت قلزم فیوضات حضرت العلاّم مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمۂ مَن وخاتمۂ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی بخیر گردان

وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلیٰ آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ بِرَحْمَتِکَ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

کلامِ شیخ

شیخ المکرم دو تخلص فرماتے ہیں سیماب اویسی اور فقیر۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

گردِ سفر		نشانِ منزل
متاعِ فقیر	کون سی ایسی بات ہوئی ہے	سوچ سمندر
آس جزیرہ		دیدۂ تر

دل کا اثاثہ

تری یاد ہے میرے دل کا اثاثہ
اسے ساتھ رکھتا ہوں سفر وحضر میں
تری یاد سے روشنی ہے جہاں میں
بہت ظلمتیں تھیں وگرنہ دہر میں
تیری یاد مالک ہے دِل ایک گھر ہے
یوں لگتا ہے جیسے تو بستا ہو گھر میں
کہاں کی جدائی ہے کیسا بچھڑنا
سراپا ترا بس گیا ہے نظر میں
تنِ خاک گر دُور بھی ہے تو کیا غم
مری رُوح وہیں ہے تُو ہے جس نگر میں
چمک تیری یادوں کی کیسے بتاؤں
مثال اس کی ملتی نہیں ہے گہر میں
تری یاد ہے اک نرالی سی دولت
مثال اس کی ملتی ہے کب سیم و زر میں
صدف نے الگ کر لیا تھا وہ قطرہ
نہ ڈھلتا وگرنہ کبھی وہ گہر میں
صدف تیری یادیں ہیں سیماب دیکھو
اکیلا ہوں باسی انوکھے نگر میں

ماخوذ از "حمد و نعت"

اَقوالِ شیخ

1۔جب تک مقصد رضائے الٰہی ہو بندے سے خطائیں بھی ہو جائیں تو اللہ معاف فرماتا ہے اور اسے قبول کیے رکھتا ہے۔

2۔اقامتِ صلوٰۃ یہ ہے کہ آپ کے طرزِ عمل سے دوسروں کو بھی تحریک ہو اور وہ بھی صلوٰۃ ادا کریں۔

3۔انفاق ہوتا ہے چیزوں کو اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرنا۔یہ صرف دولت پر لاگو نہیں ہوتا بلکہ ہر وصف جو بندے میں ہے اس پر لاگو ہوتا ہے۔

4۔سب سے بڑا جھوٹ جو دنیا میں بولا جاتا ہے وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔دنیا اور آخرت کے ہر دکھ کی دوا درود شریف ہے۔

5۔سادہ سی بات ہے نیکی یہ ہے کہ جو جس کا شرعی حق ہے اسے دیا جائے اور اگر کوئی اپنا شرعی حق مانگتا ہے یا لیتا ہے تو اسے برائی نہ سمجھا جائے۔یہ اس کا حق ہے۔

6۔اگر شیطان کا ہم پر زور چلتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے ایمان میں کہیں کوئی کمی ہے۔

7۔طریقت تو شریعت پر خلوص سے عمل کرنے کا نام ہے۔

8۔تلاوت کرتے رہنے سے شرح صدر نصیب ہوتا ہے اور اعمالِ صالح کی توفیق اور آخرت پر یقین نصیب ہوتا ہے۔

9۔آپس میں بہترین تعلقات رکھو جو ہمیشہ تقویٰ کا ثمر ہوتا ہے۔

10۔یاد رکھو! ایک دِل زندہ مل جائے تو دو عالم میں کسی چیز کے مانگنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ہر چیز دل زندہ کے قدموں کے نیچے ہوتی ہے۔

11۔یہ فیصلہ کہ ہم اللہ کی نافرمانی نہیں کریں گے خواہ اس کے لیے کچھ بھی چھوڑنا پڑے، یہ ایمان ہے اور دنیا کے کاموں سے ڈرنا کہ یہاں نقصان نہ ہو جائے اور دین کا نقصان برداشت کر لینا یہ ایمان نہیں۔

12۔جب تک بندہ اطاعتِ الٰہی پر رہتا ہے اس پر بوجھ نہیں پڑتا۔جب حق سے ہٹتا ہے تو بوجھ گھیر لیتے ہیں دنیوی پریشانیاں، تفکرات اور مصیبتیں گھیر لیتی ہیں۔

13۔کرامت یہ ہے کہ لوگوں کو کفر سے نکال کر اسلام میں لایا جائے، غفلت سے نکال کر اللہ کی یاد میں لگایا جائے، برائی سے نکال کر نیکی میں لگایا جائے۔

14۔دعا کا حاصل وصولِ الٰہی ہے، قرب الٰہی ہے۔دعا ضرور کریں لیکن دعا کو دعا سمجھیں، حکم نہ سمجھیں۔

15۔اگر آپ اپنے اندر یہ فیصلہ نہیں کریں گے کہ آپ کو تبدیل ہونا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کو تبدیل نہیں کر سکتی۔یہ اس مالک الملک کا قانون ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ Oاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ Oبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ O اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَی اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ O

(الزمر:22-23)

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ O مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمٖ۔

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ O وَ یَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ O وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ O یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ O

ارشاد باری تعالیٰ ہے اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ بھلا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک خاص روشنی، خاص نور لیے ہوئے ہو۔ پس وائے ہے، افسوس ہے ایسے لوگوں پر جن کے قلوب اللہ کے ذکر کے لیے سخت ہو رہے ہیں۔ ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔ اللہ کریم نے بہت خوبصورت باتیں نازل فرمائی ہیں ایک کتاب جس کی آیات ملتی جلتی ہیں اور جن لوگوں کو خشیتِ الٰہی، اللہ سے ایک خاص تعلق حاصل ہوجاتا ہے، اُن کے تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور اُن کے کھال اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔ یہ ہدایت ہے، راہنمائی ہے، اللہ جسے چاہے عطا کرے اور جن لوگوں کو اللہ ہی گمراہ کردے انہیں کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔

یہ آیت کریمہ ایک بڑی خوبصورت بات بتاتی ہے کہ اسلام کیا ہے؟ اسلام یہ ہے کہ مسلمان کا سینہ اسلام کے لیے کھل جائے، شرح صدر ہوجائے۔ شرح صدر یہ ہوتا ہے کہ کوئی بات دل میں کُھب جائے اور جو بات دل میں بیٹھ جاتی ہے جذب ہوجاتی ہے اس پر کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، اس پر کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا، کوئی مین میخ پیدا نہیں ہوتی۔ انبیاءؑ اور آقائے نامدار ﷺ کا منصب جلیلہ یہ ہے کہ آپ ﷺ جو فرمادیں وہ بلاچون و چرا تسلیم کیا جائے اس پر کیوں اور کیا جیسے سوالات پیدا نہیں ہوتے۔ کیوں سوالات پیدا نہیں ہوتے؟ انسانی مزاج ہے اُسے کوئی بات بھی بتائی جائے تو یقیناً وہ اس کے کئی پہلو دیکھنا اور پرکھنا چاہتا ہے کہ یہ بات کیسے ہے، کیوں ہے، اس میں کس حد تک صداقت ہے، اس سے کیا نفع ہوگا، کیا یہ بات نقصان بھی دے سکتی ہے؟ انسان بہت سی باتوں کے بارے جاننا چاہتا ہے لیکن جو بات اللہ کا نبی ﷺ ارشاد فرمادے اس کے بارے کچھ جاننے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، یہ ایمان کی دلیل ہے، یہ مومن کی شان ہے۔ کافر کو تو پھر بھی اعتراض رہتے ہیں، سوال رہتے ہیں۔ وہ حجت بازی کرتے ہیں تو مومن کیوں اس بات کو بلاچوں چرا تسلیم کرلیتا ہے؟ فرمایا، اللہ اس کا شرح صدر فرمادیتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں۔ جو بات لب ہائے مبارک ﷺ سے نکلتی ہے، سیدھی دل میں اتر جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تعلق کا

مفہوم یہ ہے کہ شرح صدر ہو جائے، دل کھل جائے، سینہ کھل جائے۔

نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات اس قدر بابرکت اور اس قدر پرنور تھی کہ جس نے بھی کلمہ پڑھا اور اس کے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا یا حضور اکرم ﷺ کی نظر اُس پر پڑی تو وہ صحابیؓ ہو گیا۔ صحابیت بظاہر تو صحبت سے ہے کہ جس نے حضور اکرم ﷺ کی صحبت پائی صحابیؓ ہو گیا لیکن شرعاً صحابیت ایک منصب ہے اور ایسا عظیم منصب ہے کہ ہر صحابیؓ دیانت میں، امانت میں، صدق میں، خلوص میں، سچائی میں، جانثاری میں غیر صحابی سے بہت بلند ہے یعنی تمام خوبیاں جو انسان میں ہو سکتی ہیں صحابیؓ میں اُس درجے کی پائی جاتی ہیں جو غیر صحابی کو نصیب نہیں ہوتیں، اُس سے بہت بلند ہوتی ہیں۔ ہمارے دل میں اہل اللہ کی عظمت ہوتی ہے اور جسے ہم ولی سمجھتے ہوں اُس کا ہم بے پناہ احترام کرتے ہیں حالانکہ یہ ہماری رائے ہوتی ہے کہ یہ ولی اللہ ہے، اللہ کی طرف سے کوئی سند نہیں ہوتی ہے یہ ہمارا گمان ہوتا ہے۔ اس کا عقیدہ، کردار، نیکی، ورع تقویٰ دیکھ کر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ولی اللہ ہے اور اس کا ادب واحترام کرتے ہیں لیکن اگر کوئی واقع ولی اللہ ہو ایک نہیں روئے زمین کی ساری آبادی کو ولایت نصیب ہو جائے ہر فرد ہی ولی اللہ ہو، سب کی ولایت جمع کریں تو بھی تبع تابعین کے قدموں کی خاک تک نہیں پہنچتی، تبع تابعین کے اوپر تابعین ہیں۔ تابعیت جہاں سے ختم ہوتی ہے وہاں سے صحابیت کا درجہ شروع ہوتا ہے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہر ولی اللہ کا سینہ خلوص سے پُر ہے، اللہ پر اُس کا اعتماد ہے، وہ نیک ہے لیکن اس کی ساری نیکی، اس کا سارا ورع تقویٰ، اس کے سارے ذکر اذکار، اس کے سارے منازلِ سلوک، تبع تابعین کے پاؤں کی خاک کو بھی نہیں پہنچتے۔ تبع تابعینؒ کی عظمت تابعینؒ کے قدموں تک ہے اور تابعینؒ کی عظمت جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے صحابیتؓ شروع ہوتی ہے اور عظمتِ صحابیتؓ جہاں سے ختم ہوتی ہے وہاں سے مقام نبوت شروع ہو جاتا ہے۔ پھر صحابہؓ سے اوپر نبی کریم ﷺ کی عظمت ہے تو ایک قاعدہ پڑھنے پر بھی وقت لگتا ہے۔ کوئی کتاب کسی استاد سے پڑھنی پڑے، استاد اچھا ہو، طالب علم بھی ذہین ہو، اس کے لیے بھی وقت لگتا ہے۔ درجہ بدرجہ ہمیں جب پڑھنا پڑے تو بعض اوقات پندرہ، سولہ سولہ سال، اٹھارہ اٹھارہ سال بچہ پرائمری سے لے کر ایم۔ اے تک لگا جاتا ہے۔ عمر کا ایک حصہ لگ جاتا ہے تو یہ عجیب بات ہے کہ صحابیؓ بننے کے لیے کتنا وقت درکار ہے۔ جہاں تمام عالموں کی عظمت دم توڑ دیتی ہے، جہاں پڑھے لکھوں کی پڑھائی رک جاتی ہے، جہاں تمام نیک اور پارسا لوگوں کی پارسائی ختم ہو جاتی ہے اس عظمت پر جو فائز ہے انہیں کتنا وقت لگا؟ ایک نگاہ تھی حضور اکرم ﷺ کی، اُس ایک نگاہ نے انہیں یہ مدارج عطا کر دیئے۔ اب جن کی عمریں خدمتِ عالی ﷺ میں بسر ہوئیں، اُن کا عالم کیا ہوگا؟

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے فضائل میں سب سے اوپر یہ بات آتی ہے کہ شبِ ہجرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ستودہ صفات تھی اور ابوبکر صدیقؓ تھے، کوئی تیسرا ساتھ نہیں تھا۔ یعنی وہ مبارک ہستی جو بعثت سے لے کر قیامت تک براہِ راست روشنیاں تقسیم فرماتی رہی، نور بانٹتی رہی اور تخلیق آدمیت سے لے کر اپنی بعثت تک بالواسطہ، انبیاءؑ ورسل کے واسطے سے نور بانٹتی رہی، وہ ہستی ﷺ اور ان ﷺ کی ساری توجہ جب ایک فردؓ کے ساتھ تھی تو اُس کا کیا عالم ہوگا۔ پھر اثنائے سفر وہ وقت بھی آیا جب قدوم مبارک زخمی ہو گئے۔

ابوبکرؓ آنکہ بدوشش گرفت

تو اس وقت ابوبکرؓ نے حضور اکرم ﷺ کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا

ابوبکرؓ آنکہ بدوشش گرفت
ولے ایں حدیث است جائے شگفت

یہ بات بڑی حیران کن ہے انسان کو حیرت زدہ کر دیتی ہے کہ

درکس چناں قوت آمد پدید　　　که بار نبوت تواند کشید

کسی میں اللہ نے اتنی طاقت پیدا کر دی کہ وہ نبوت کا بوجھ لے کر جا رہا ہے۔ تو وہ لمحے تھے جب حضور اکرم ﷺ کا تعلق، ابوبکر صدیقؓ کے دوش ہائے مبارک سے تھا اور زمین پر ابوبکر صدیقؓ کے قدم تھے تو ساری کی ساری توجہ مبارک، سارے کا سارا نورِ پاک، ساری کے ساری روشنی ایک بندے پر منعکس ہو رہی تھی اور کائنات سے اس کے قدموں کا تعلق تھا۔ اور پھر ثور میں سارا وقت ایک اکیلے ابوبکر صدیقؓ کو

ملا تو اُن کی عظمتیں کہاں ہوں گی! حضور ﷺ کی بعثت، قیامت تک کے لیے ہے۔ پہلے انبیاءؑ پر جو کتابیں نازل ہوئیں، جو صحیفے نازل ہوئے وہ بھی اللہ کی طرف سے تھے، انبیاءؑ پر جو وحی نازل ہوئی وہ سب اللہ کی طرف سے تھی اور ساری حق تھی لیکن مرورِ زمانہ نے انہیں بدل کر رکھ دیا۔ آسمانی کتابیں بدل دی گئیں، وحی الٰہی کے ارشادات لوگوں نے بدل دیے، الفاظ و مفاہیم تک بدل دیے۔ حتیٰ کہ آج پہلی کوئی کتاب، کوئی صحیفہ اپنی اصل حالت میں نہیں ملتا۔ حضور اکرم ﷺ پر جو کتاب نازل ہوئی اس کی حفاظت کا بھی اللہ کریم نے ذمہ لے لیا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:9) یہ نصیحت، یہ کتاب ہم نے نازل فرمائی ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار بھی ہیں۔ آج تقریباً پندرہوں صدی کے نصف تک آ گئے ہیں، ساڑھے چودہ سو سال میں اس کا کوئی نقطہ، کوئی زیر زبر پیش، کوئی ٹنڈا تبدیل نہیں کیا جاسکا۔ حالانکہ دنیائے کفر نے بڑے زور لگائے، بڑی طاقت لگائی، الفاظ بدل کر کتابیں چھاپ کر تقسیم کیں، کہیں زیر زبر بدل دیے، کہیں نقطے بدل دیے لیکن کوئی کوشش نہ آج تک کامیاب ہوسکی نہ قیامت تک کامیاب ہوگی۔ پھر کتاب بھی وہی موجود ہے جو صحابہ کرامؓ کے سامنے نازل ہوئی۔ اسلام وہی نور ہے جو اس کتاب میں ہے اور اس کتاب کی تشریح معلم کتاب آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمائی وہ بھی صحابہؓ کے سامنے ہے۔ حضور ﷺ کے ذاتی انوارات و برکات اُن کے سینے میں ہیں انہیں تو شرح صدر نصیب ہوگیا اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔۔۔ ان کے سینے تو اسلام کے لیے کھل گئے اور اللہ کی طرف سے ان کے سینوں میں نور آ گیا تو کیا یہ نعمت صحابہ کرامؓ تک پہنچ کر ختم ہوگئی؟ حضور اکرم ﷺ کی بعثتِ عالی ہمیشہ کے لیے ہے قیامت تک کے لیے ہے۔ قیامت تک کے لیے اللہ نے محفوظ فرما دیا۔ آپ ﷺ کی حدیث مبارک کو اسی حلقہ حفاظت میں لے لیا۔ کتاب کی حفاظت کا یہ مطلب نہیں کہ صرف الفاظ و حروف کی حفاظت ہوگی، کتاب کی حفاظت کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کتاب کے الفاظ بھی محفوظ رہیں گے اس کے معانی و مراد جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائے ہیں وہ بھی محفوظ رہیں گے ایسے لوگ بھی موجود رہیں گے جو اس کتاب پر حقیقی طور پر ایمان بھی رکھتے ہوں گے اور عمل بھی کرتے ہوں گے تب جا کر کتاب محفوظ ہوگی ناں! آپ ایک حکم کو کہتے ہیں جی محفوظ رہے گا تو اسے مال خانے میں جمع کرا دیں کوئی اُسے جانتا نہ ہو تو کیا اُس کی حفاظت ہوگی؟ کتاب کے غیر محفوظ ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اُسے کوئی جانتا ہی نہ ہو۔ تو گویا اس حفاظتِ الٰہیہ میں کئی چیزیں آ گئیں کہ کتاب کے الفاظ بھی محفوظ رہیں گے کتاب کو اور اس کے معنی کو جاننے والے بھی محفوظ رہیں گے اور روئے زمین پر اس پر عمل ہوگا تب اس کی حفاظت کا تقاضا پورا ہوگا۔ کتاب بھی رہے گی، اُس کے مفاہیم بھی رہیں گے، اس کے پڑھنے والے، پڑھانے والے بھی رہیں گے، اس کو مان کر اس پر عمل کرنے والے بھی رہیں گے۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ ہے برکات محمد رسول اللہ ﷺ۔ اس کا مطلب ہے کہ برکاتِ نبوت ﷺ بھی قیامت تک رہیں گی اور جب روئے زمین سے برکات نبوت ﷺ سمٹ جائیں گی تو دنیا کی زندگی ختم ہوجائے گی۔ برکات نبوت ﷺ، دنیا کی حیات ہیں جب یہ اُٹھ جائیں گی تو قیامت قائم ہوجائے گی۔ زمین بھی پھٹ جائے گی آسمان بھی پھٹ جائے گا، کچھ باقی نہیں رہے گا، ہر چیز تباہ ہوجائے گی۔ یہاں تک تو بات سمجھ میں آتی ہے اور طے شدہ بات ہے کہ یہ ساری برکات باقی رہیں گی۔ دیکھنا یہ ہے میں نے، آپ نے، ہر فرد نے اپنا اپنا جواب دینا ہے۔ آپ مجھ سے بہتر ہیں کہ آپ نے صرف اپنا جواب دینا ہے، میں ایسی جگہ پر بیٹھا ہوں کہ جہاں مجھے آپ لوگوں کی طرف سے بھی جواب دینا پڑے گا تو ہم کیا جواب دیں گے؟ قرآن نے فیصلہ کر دیا: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔۔۔ انسانوں کے دو طبقے ہیں۔ ایک وہ ہے جس کا سینہ، اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اللہ کی طرف سے نور پر روشنی پر ہیں۔ اُس کے سینے میں نور بھر دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ برکاتِ نبوت ﷺ بھی باقی رہیں گی شرح صدر کی وہ کیفیات درجہ بدرجہ ہوں گی، جیسی جیسی کسی کی ہمت ہوگی، لیکن باقی ہوں گی اور ہر ایک کے لیے ہوں گی۔

ہمارے ہاں پیری مریدی میں تو یہ رواج ہوگیا ہے، کہ سارے کمالات پیر صاحب کے پاس ہیں اور مرید صرف ان کے محتاج ہیں کہ ہر ضرورت کے لیے اُن کے دروازے پر جائیں۔ اسلام میں تو یہ نہیں ہے۔ بارگاہِ رسالت ﷺ میں تو جو پہنچا وہ صحابیؓ ہوگیا۔ کوئی ایک خاص پیر فقیر نہیں بنا، سب صحابیؓ ہوگئے۔ آگے صحابیتؓ میں درجے ہیں۔ ہر ایک کے اپنے اپنے درجے ہیں۔ کوئی فقیہہ بن گئے، کوئی مفسر بن گئے، کوئی محدث بن گئے، کوئی جرنیل بن گئے، کوئی مجاہد بن گئے لیکن بنیادی طور پر سارے صحابیؓ تھے۔ آگے انسانی استعداد تھی جس شعبے میں کوئی چلا گیا اس شعبے میں بے مثال بنا۔ یہ نسبت اس طرح سے آگے چلی کہ صحابہؓ کی صحبت میں جو پہنچا وہ تابعیؒ بن گیا۔ اب تابعینؒ کا اپنا ایک مقام ہے، درجہ ہے۔ اب ان میں کوئی عالم ہے، فقیہہ ہے، بڑے بڑے مجاہد ہیں، بڑے بڑے جرنیل ہیں، بڑے بڑے نامور فاتح ہیں۔ وہ الگ شعبے ہیں اللہ نے جس کو جو استعداد دی لیکن بنیادی طور پر وہ سب لوگ، پورا طبقہ جس نے صحابہؓ کو دیکھا تابعیؒ ہوگیا، ان کے دل میں وہ کیفیت آگئی۔ تابعینؒ کی صحبت میں جو پہنچا وہ تبع تابعیؒ ہوگیا۔ تبع تابعینؒ پر آکر یہ بات کچھ گڈمڈ سی ہوجاتی ہے پھر لوگ کہتے ہیں آگے کچھ نہیں ہوسکتا۔ کیا آگے برکاتِ نبوت ﷺ کو کوئی بند لگ گئے یا وہ روک دی گئیں؟ نہیں، یہ تو قیامت تک کے لیے ہیں۔ تو پھر کتنے لوگ ہیں جن کو شرحِ صدر نصیب ہے، کتنے لوگ ہیں جن کے قلوب منور ہیں، جن کے سینوں میں نور ہے؟ اب قرآن کریم اِسے اسلام کہہ رہا ہے۔ اسلام یہ ہے کہ شرحِ صدر ہو۔ شرحِ صدر یہ ہے کہ جو ارشادِ باری بطفیلِ نبی کریم ﷺ ملے اس پر کوئی چوں چرا کی ضرورت پیش نہ آئے، سیدھا دل میں اُتر جائے۔ ایسا روشن، ایسا صاف دل ہو کہ جو لفظ آئے وہ دل میں اترتا جائے اور فرمایا، افسوس ہے اُن پر فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔۔۔ افسوس ہے ان لوگوں پر یعنی وہ سخت افسوس میں ہوں گے۔ جن کے دل اللہ کے ذکر کے لیے سخت ہو رہے ہیں قبول نہیں کر رہے وہ اپنا نقصان کر رہے ہیں کیونکہ اس کا تعلق نورِ ایمان سے ہے۔ ایمان لائیں گے تو دل کا دروازہ کھلے گا۔ یہ کفار کی صفت ہے کہ اُن کے دل نور سے، ذکر سے خالی ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ المکرمؒ، اللہ ان کے درجات ہمیشہ بلند فرمائے، ہم انہیں استاد کہا کرتے تھے۔ اب تو یہ لفظ سننے میں نہیں آتا لیکن ہم انہیں ہمیشہ استاد کہا کرتے تھے۔ استادوں کی خدمت میں جارہا ہوں، ہم کہتے، استادوں نے یہ فرمایا، استادوں سے یہ بات عرض کرنی ہے۔ اُس زمانے کے سارے ساتھی، جنہیں اللہ پاک نے حیات دی ہوئی ہے سارے جانتے ہیں کہ ہم حضرتؒ کو استاد کہتے تھے

اور شیخ ہوتا بھی استاد ہی ہے اس کا کام ہی یہ ہوتا ہے شیخ استاد ہوتا ہے کہ جو برکاتِ نبوت ﷺ، جو کیفیت شرحِ صدر کی اور جو نور اس کے قلب میں ہے وہ اپنے متبعین کو، اپنے متعلقین کو پڑھائے، سکھائے، اور اُسے اُن کے سینوں میں بھی بھرے۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ پیر صاحب کے پاس گٹھڑی میں بند پڑی رہے اور مرید آئیں اور صرف پیر کی زیارت کرتے رہیں۔ یہ کوئی طریقہ نہیں ہے۔ پیر استاد ہوتا ہے، مرید طالب ہوتا ہے۔ جو کمال پیر میں ہے وہ اُسے مریدوں کو سکھانا چاہیے۔ اگر اس کا سینہ روشن ہے تو مریدوں کا سینہ بھی روشن کرے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر ایک کی کیفیت اپنی ہوگی۔ ہر ایک کی فطری استعداد اپنی ہے، شعور اپنا ہے، مجاہدہ اپنا ہے، خلوص اپنا ہے۔ اس کے حصول کے لیے بہت سی چیزیں درکار ہوتی ہیں اور ہر ایک کی الگ الگ ہیں لیکن جتنی جس کی ہیں اُسے اتنی تو نصیب ہونی چاہئیں، خالی تو کسی کو نہیں ہونا چاہیے۔ اگر مرید محض مریدی پر خوش رہے کہ میں پیر صاحب کا مرید ہوں اس کو کیا فائدہ، اس نے کیا حاصل کیا؟ اور اگر کوئی ایسے لوگ ہوں جن کے دل ذکر کے لیے سخت ہوں، دل روشن نہ ہوسکیں، ذکر قبول نہ کریں فرمایا اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ وہ کھلی گمراہی میں ہیں وہ ہدایت پر نہیں ہیں۔

ہم قرآنِ کریم کو ثواب کے لیے پڑھتے ہیں اور اسے پڑھنا ثواب بھی ہے۔ کیفیات کے لیے پڑھتے ہیں اور اس میں کیفیات ہیں بھی۔ اللہ کی رضا کے لیے پڑھتے ہیں، اللہ راضی بھی ہوتے ہیں لیکن قرآن کریم کو، قرآن کریم کی بات سمجھنے کے لیے بھی پڑھنا چاہیے۔

قرآن کریم، اصل میں تو اللہ کی کتاب ہے۔ اس کا دیکھنا بھی عبادت ہے، اس کا چھونا بھی عبادت ہے، اس کا پڑھنا بھی عبادت ہے، اس کا پڑھنا سنت ہے اور اگر کوئی بلند آواز سے پڑھ رہا ہو تو اس کا سننا فرض ہو جاتا ہے اس کی برکات نصیب ہوتی ہیں۔ اعلیٰ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ اللہ کرتے ہیں، قرآن پڑھتے ہیں تو یہ صابن ہے۔ صابن بے دھیانی سے بھی لگائیں تو کچھ نہ کچھ میل کو کٹتا ہی رہتا ہے، توجہ سے لگائیں تو کپڑا فوراً صاف ہو جاتا ہے۔ تو اس کی برکات تو ہوتی ہی ہیں لیکن اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے وہ بات تو سمجھی جائے۔ تو یہ فرما رہا ہے کہ اللہ کے بندے وہ ہیں جن کے سینے اسلام کے لیے کھل جاتے ہیں۔

میرے پاس خط بھی آتے ہیں اور آج کل تو ای۔میل پر چلے گئے ہیں تو 60 سے 70 ای میلز روز ہوتی ہیں۔ ان میں بعض بڑی دلچسپ ہوتی ہیں، جی آپ میرے لیے دعا کریں کہ میں نمازی ہو جاؤں، مجھ سے نماز نہیں پڑھی جاتی، میرے لیے دعا کریں میں ذکر کرنے لگ جاؤں، میں جانتا تو ہوں کہ ذکر اچھا ہے پر مجھ سے ہوتا نہیں۔ رات ایک ای میل تھی، کوشش تو کرتا ہوں مجھ سے نہیں ہوتا۔ بھئی دیکھو! اللہ نے ہدایت کا سورج چڑھا دیا، روشنیاں بکھیرنے والا سورج محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات جو ہمیشہ روشنیاں تقسیم فرماتی رہی۔ اللہ نے آپ کو آنکھیں بھی دیں توفیق بھی دی، عمر بھی دی، فرصت بھی دی۔ آپ ساری زندگی آنکھ کو کھول کر نہیں دیکھتے اور کہتے ہیں دعا کرو میں دیکھ سکوں تو کیا ہوگا؟ اگر نمازیں آپ نے میری دعا سے پڑھنی ہیں تو اللہ قادر تھا وہ قانون بنا دیتا جو نماز نہیں پڑھے گا اس کی نظر بند ہو جائے گی تو پھر کون تھا جو نہ پڑھتا؟ وہ فرما دیتا جو نماز نہیں پڑھے گا تو اس کے دل کی دھڑکن رک جائے گی، اس کی سانس نہیں آئے گی مر جائے گا کون تھا جو نہ پڑھتا؟ وہ جیسی شکل چاہتا ہے دے دیتا ہے کیا کسی کو جرأت ہے چوں وچرا کی؟ وہ جتنا عقل و شعور جتنی روزی، جتنی صحت و بیماری دے دیتا ہے کوئی چون وچرا کرتا ہے؟ وہ زبردستی نمازیں پڑھوانا چاہتا تو پڑھا سکتا تھا۔ میں تو آپ کو نماز کی عظمت سمجھا سکتا ہوں، اس کا طریقہ سمجھا سکتا ہوں، کرنا آپ نے ہے۔ اگر میری دعاؤں کے سہارے کرنا ہے تو پھر آپ کو اس کا کیا اجر ملے گا؟ آپ کا سینہ کیسے کھلے گا؟ اس کا تو اجر پھر مجھے ملنا چاہئے ناں پھر آپ کو تو نہیں ملنا چاہیے۔ تو یہ ہر بندے کا اپنا تعلق ہے اللہ کے ساتھ بھی، اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بھی۔ شیخ استاد ہوتا ہے جتنا آپ پڑھنا چاہتے ہیں جتنا اس کو آتا ہے اتنا وہ پڑھا سکتا ہے۔ اب آپ کالج سکول جاتے ہیں سکول میں بھی اور، کالج میں بھی استاد پڑھاتا ہے۔ کسی استاد سے کہیں کہ جی مجھ سے تو نہیں پڑھا جاتا آپ میرے لیے دعا کر دیں کہ مجھے پڑھا پڑھایا آجائے۔ کبھی کسی نے اس طرح سوچا؟ ایسا تو کوئی سوچتا بھی نہیں۔ نہیں پڑھا جاتا تو اگلے فیل کر دیتے ہیں سال بھر لگے رہو پھر فیل ہو جاؤ پھر لگے رہو، پھر فیل ہو ہو کر، تھک کر کہیں چھوڑ دیتے ہیں، کہ نہیں پڑھا جاتا؟ تو بھئی اگر آپ خود فیصلہ نہیں کریں گے ذکر کا، آپ خود فیصلہ نہیں کریں گے ادائے صلوٰۃ کا تو کسی کی دعاؤں سے کیا ہوگا۔ دعاؤں سے ہوتا تو صرف ایک تبلیغی جماعت ہم سب کو کافی تھی۔ اتنی دعائیں وہ کرتے ہیں اور وہ رو رو کر کرتے ہیں اور اتنے خلوص سے کرتے ہیں تو کیا بدلا ہمارا؟ دعا اللہ سے ہی کی جا سکتی ہے۔ دعا بجائے خود عبادت ہے لیکن ایسی کوئی دعا نہیں ہے جو زبردستی آپ سے نمازیں پڑھوائے۔ دعا کے بعد بھی فیصلہ آپ کو خود کرنا ہوگا کہ مجھے نماز ادا کرنی ہے۔ دعا کے بعد بھی فیصلہ آپ کو خود کرنا ہوگا کہ مجھے ذکر کرنا ہے۔ ہاں! دعا یہ کی جا سکتی ہے کہ یا اللہ! اس کا ذکر قبول فرما اور بہتر اجر عطا فرما۔ وہ دینے والا ہے، وہ جانیں آپ جانیں، دعا بہرحال عبادات کا حاصل ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، دعا عبادات کا مغز ہے لیکن دعا کی بھی تو حدود و قیود ہیں۔ آپ نے کبھی یہ تو نہیں لکھا کہ دعا کریں میں کھانا کھالوں، کھانا تو ہر وقت کھا لیتے ہیں، کوئی نہیں کہتا دعا کرو میں رات کو سو جاؤں، خود سو جاتا ہے، کوئی نہیں کہتا دعا کرو میں اپنی نوکری ٹھیک کروں۔ سارے کام بغیر دعا کے ہوتے ہیں، صرف اللہ کی عبادت کے لیے Support چاہیے؟ اس کا مطلب بڑا خطرناک ہے، اس کا مطلب ہے کہ آپ کو شرح صدر نصیب نہیں، آپ کا دل اس بات کو نہیں مان رہا۔ عقل مانتی ہے کہ نماز پڑھنا اچھی بات

ہے، یہ دماغ مان رہا ہے لیکن بادشاہ تو دل ہے ناں، دل نہیں مان رہا۔ دل کہتا ہے، چھوڑ یار کون فضول لگا رہے، دیکھی جائے گی اور اسلام یہ ہے کہا اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ جس کا سینہ اللہ کھول دے اور فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔۔۔ اور اپنے پروردگار کی طرف سے اُس کے سینے میں نور بھر جائے اور وہ ایک روشن راستے پر چل کھڑا ہو تو یہ وہ فیصلہ ہے جو ہر فرد کا ذاتی ہے۔ اس میں کتنا خلوص ہے، کتنی محنت ہے، کتنا مجاہدہ ہے، کتنی طلب ہے وہ بندہ جانے اور اس کا مالک جانے۔ تو میرے بھائی! اس راہ میں بھی اپنی ذات سے فیصلہ کر کے آؤ اور اپنے دلوں کو کھول کے رکھو۔ اللہ آپ کو شرح صدر نصیب فرمائے۔ سینوں کو منور کرو، اس بات پہ نہ رہو کہ کوئی مجھے کرائے تو میں کروں گا۔ چونکہ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ جن کے دل ذکر اللہ سے سخت ہو رہے ہیں، نہیں مانتے ہیں تو فرمایا، صد افسوس ہے، وہ تباہ ہو گئے، بالکل ختم ہو گئے، اُن کا کچھ نہیں بچا، اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔

اللہ کی کتاب تو سچی ہے، سچی باتیں کرتی ہے، سچے فیصلے سناتی ہے۔ اس آیہ کریمہ نے دو طبقے بیان فرمائے ہیں۔ ایک وہ جن کا شرح صدر ہے، سینہ کھلا ہے اسلام کے لئے، هُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔۔۔ اور اب جس راہ پہ وہ چل رہے ہیں انہیں اللہ کی طرف سے پروردگار کی طرف سے ایک نور نصیب ہے۔ اور ایک طبقہ وہ ہے جن کے سینے اسلام کے لیے کھلے نہیں۔ دل ذکر کو قبول نہیں کرتے، فرمایا، یہ گمراہی میں ہے۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ۔۔۔ اللہ نے یہ خوبصورت کتاب نازل فرمائی اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ۔۔۔ اس میں بہت پیاری، بہت خوبصورت باتیں ہیں۔ کلام متکلم کی کیفیات کا آئینہ دار ہوتا ہے، بات میں بات کرنے والے کے مزاج، طبیعت، شخصیت، ذات کا عکس ہوتا ہے۔ جاہل ایک بات کرتا ہے اس کا انداز مختلف ہوتا ہے اس کی بات بتا دیتی ہے کہ یہ بندہ جاہل ہے۔ وہی بات ایک عالم کرتا ہے، وہی الفاظ ہوتے ہیں معنی بھی وہی ہوتا ہے لیکن وہ بات کا انداز بتا دیتا ہے کہ یہ بندہ جاننے والا ہے، پڑھا لکھا ہے، شریف آدمی ہے، سمجھدار آدمی ہے۔ اگر بندوں کی باتوں میں اُن کی ذات کا عکس ہوتا ہے تو اللہ کریم کے ذاتی کلام میں اُس کی عظمت مترشح ہے، عظمتِ الٰہی، سب سے زیادہ جو مترشح ہوگی وہ اللہ کے ذاتی کلام میں ہوگی۔ پھر وہ کلام براہ راست تو ہم تک نہیں آیا، وہ کلام، قلب اطہر محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ پھر وہی الفاظ لب ہائے مبارک اور زبانِ مبارکِ اصدق الصادقین پر جاری ہوئے۔ اب ذرا اندازہ تو کریں! اللہ کریم کا ذاتی کلام ہے، قلبِ اطہر محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا، لب ہائے مبارک سے زبانِ مبارک سے یہی الفاظ نکلے جو آج ہم پڑھ رہے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ۔۔۔ بہت خوبصورت باتیں ہیں، بہت پیاری باتیں اللہ نے نازل فرمائیں۔ یعنی ان میں عظمت الٰہی کا پرتو بھی ہے، نورِ نبوت اور جمال نبوت ﷺ بھی لیے ہوئے ہے اور آپ کو کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا زندگی کے سارے نشیب و فراز بھی بتا رہی ہے۔ اگر صرف زندگی کے نشیب و فراز بتا دیتی تو بہت بڑی بات تھی لیکن صرف وہ نہیں اُن میں تو اس طرح مٹھاس ہے کہ جس کی مثال دنیا میں اور کہیں نہیں۔ کہاں میں، کہاں آپ، کہاں ذاتِ اقدس رسول اللہ ﷺ، کہاں عظمتِ الٰہی۔ وہی الفاظ جو اللہ نے قلبِ اطہر محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمائے، وہی الفاظ جو حضور ﷺ کے لب ہائے مبارک سے نکلے وہی الفاظ میں اور آپ دہرا رہے ہیں تو ہر ہر لفظ ہر ہر حرف شیرینی سے پُر ہے، نور سے بھرا ہوا ہے۔ اب وہ لذت ہمیں نہیں ملتی یا وہ نور ہمارے دل میں نہیں آتا تو پھر یہ قصور ہمارا ہے ورنہ اللہ کریم فرماتے ہیں اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ بہت خوبصورت باتیں اللہ نے نازل فرمائیں۔ بہت ہی خوبصورت، کتنی پیاری لیکن ہر پھل میں ایک لذت، ایک شیرینی، ایک مزہ ہوتا ہے۔ ہر کھانے میں اس کا اپنا مزہ ہے۔

اسی طرح قرآن کے ہر لفظ میں اس کی اپنی ایک لذت ہے۔ اس میں عظمتِ الٰہی بھی ہے، اس میں برکاتِ نبوت ﷺ بھی ہیں وہ تجلیاتِ باری کا بھی امین ہے، وہ نورِ نبوت ﷺ کا بھی امین ہے۔ اللہ فرماتے ہیں اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ سب سے خوبصورت بات۔ جتنی باتیں

کوئی روئے زمین پر کرتا ہے، کر چکا ہے، کرے گا، سب سے خوبصورت بات، ایک ایسی کتاب مُتَشَابِهًا مَّثَانِيَ جس کی باتیں ملتی جلتی ہیں اور دہرائی جاتی ہیں۔ بار بار ایک کام کی تاکید کی جاتی ہے۔ ایک بار کہہ دیا نماز قائم کرو۔ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ تو کافی تھا لیکن قرآن بار بار کہتا ہے قرآن کہتا ہے، ایمان لاؤ۔ ایک دفعہ کہہ دیا اللہ پر ایمان لاؤ، کافی تھا لیکن قرآن بار بار کہتا ہے یعنی ہر دفعہ وہ ایک نیا طاقت کا انجکشن لگاتا ہے کہ مریض بچ جائے اور اگر مریض ہی نہ لگوائے تو پھر اس کا کیا ہے؟ ہر آیت انہی مفاہیم کو دہراتی ہے۔ ہر واقعہ، اللہ کی طرف دعوت دینے کا سبب بنتا ہے، ہر قصہ، عظمتِ الٰہی کو ذہن نشین کرانے کا سبب بنتا ہے۔ تو کتنا احسان ہے اس کا کہ اُس نے اپنی کتاب نازل فرمائی جو بار بار باتوں کی تاکید کرتی ہے، اس کی آیات ملتی جلتی ہیں۔ اب جن میں وہ شرح صدر اور نور قلب ہوتا ہے تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ۔۔۔ جن میں خشیت الٰہی ہوتی ہے، خشیت اور تقویٰ ایک کیفیت ہوتی ہے ترجمہ تو خشیت اور تقویٰ کا بھی ڈر لکھ دیا جاتا ہے لیکن اس سے مراد وہ ڈر ہے جو تعلق پیار کا، عابد و معبود کا، اللہ کے مالک اور بندے کے مملوک ہونے کا، میرا بندہ ہونے کا جو رشتہ ہے کہیں اس میں کوئی دراڑ نہ آ جائے۔ اس ڈر کو خشیت اور تقویٰ کہتے ہیں۔ اور یہ ڈر تب پیدا ہوگا جب پہلے اللہ کریم سے ہمارا تعلق ہوگا۔ ہمارا تعلق، ماننے اور اطاعت کرنے کا ہے، اس کا تعلق ہمیں عطا کرنے اور بخشنے کا ہے۔ تو فرمایا، جن میں یہ تعلق یہ خشیت ہوتی ہے ان کے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تَقْشَعِرُّ بال بال کھڑا ہو جاتا ہے اور ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ پھر اُن کی کھال سے لے کر نہاں خانۂ دل تک ہر ذرۂ بدن کا ذکر کرنے لگ جاتا ہے۔ کتاب اللہ میں اللہ کریم نے ان لوگوں کی یہ نشانیاں بھی بتا دیں کہ جن کا شرح صدر ہوتا ہے انہی کا کتاب پر عمل بھی آسان ہوتا ہے جب سینہ کھل جائے، دل روشن ہو جائے تو پھر جب کتابِ الٰہی پڑھے یا سنے تو تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ ان کی کھال پر بال بال کھڑا ہو جاتا ہے۔ بدن کانپ اٹھتے ہیں، لرزہ طاری ہو جاتا ہے رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ان کی کھال سے لے کر نہاں خانۂ دل تک ہر ذرۂ بدن ذاکر ہو جاتا ہے۔ اللہ اللہ اللہ کی صدائیں بلند ہوتی ہیں ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ یہ ہدایت ہے اللہ کی طرف سے، یہ سیدھا راستہ ہے۔ ان لوگوں کو پھر توفیق ہوتی ہے اطاعت کرنے کی اور نیکی پر اور سیدھے راستے پر چلنے کی۔ اللہ جسے چاہے اُسے عطا کر دے وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۔۔۔ جسے اللہ ہی ٹھکرا دے، گمراہ کر دے، اُسے کوئی راہنمائی کرنے والا نہیں یعنی جن کو یہ کیفیات نصیب نہیں ہوتیں وہ اس بات پر خوش نہ ہوں۔ کتنے لوگ ہیں جو مساجد میں نہیں آتے، نمازیں نہیں پڑھتے وہ اس پر خوش نہ ہوں کہ ہم نماز نہیں پڑھتے، فکر اس بات کا کریں کہ اللہ انہیں پڑھنے کی توفیق نہیں دیتا۔ اللہ انہیں اپنی بارگاہ میں سربسجود ہونے کی مہلت نہیں دیتا۔ وہ نہیں چاہتا کہ ایسے لوگوں کی پیشانیاں اس کی بارگاہ میں جھکیں۔ گمراہ لوگ اس بات پہ خوش نہ ہوں کہ ہم بڑے تگڑے ہیں کہ ہم اللہ کی مخالفت کر رہے ہیں وہ یہ دیکھیں یہ کہ وہ ہم سے خفا ہے وہ ہمیں اپنے در پہ آنے نہیں دیتا کیونکہ محتاج تو بندہ ہے۔ بڑے بڑے شہنشاہ، بڑے بڑے سلطان، ایسے ایسے بادشاہ جنہوں نے خدائی دعوے کیے اور اپنے آپ کو سجدے کرواتے رہے کہاں ہیں وہ؟ جنہوں نے بڑے بڑے قلعے تعمیر کیے وہ آج کہاں ہیں؟ اکثر کی تو قبور ہی نہیں ملتیں اور جن بادشاہوں کی قبریں ملتی ہیں ان پر لوگ پکنک منا رہے ہوتے ہیں اور سیر کرنے جاتے ہیں انہیں دیکھنے جاتے ہیں۔ کہاں گئیں وہ شاہی عظمتیں اور کہاں گئی وہ شان و شوکت۔ کہاں گئے وہ لاؤ لشکر اور کہاں گئے وہ مال و دولت؟ کچھ بھی نہیں بچا۔ انسان محتاج ہے، جو اللہ کی اطاعت نہیں کرتا وہ یہ سمجھ لے کہ اللہ اس سے ناراض ہے، خفا ہے، وہ اُسے اپنی اطاعت کی طرف آنے نہیں دیتا۔ اُسے سوچنا چاہیے کہ میں نے کیا غلطی کی؟ اسی طرح اگر نماز چھوٹ جائے تو ہمیں سوچنا چاہیے، محض اپنی پارسائی پر نہیں رہنا چاہیے، سوچنا چاہیے کہ کیوں چھوٹ گئی؟ ذکر چھوٹا ہے تو کیوں چھوٹا، میں نے کیا کیا، کیوں یہ مجھ پر گرفت آ گئی؟ بندہ اس بات پر نہ رہے کہ کوئی دعا کرے اور میں ذکر کرنے لگ جاؤں۔ خود فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ میں کیا غلط کر رہا ہوں کہ مجھ سے یہ نعمت چھن گئی۔ میں وہاں اپنے کردار کی، اپنے نظریے کی اصلاح کروں۔ اپنی باتوں، اپنے کردار کے بارے

سوچے کہ میں نے کیا کھالیا؟ کہیں کوئی ناجائز چیز کھالی، حرام کھالیا، کوئی ناپاک چیز کھالی۔ کہیں میں نے کسی کی غلط بات کردی۔ بات کرنا تو اور بات ہے، بات سننا بھی عیب بن جاتا ہے۔ یہود پر اسی لیے عذاب نازل ہوا تھا کہ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ۔۔۔۔ یہ جھوٹ سنتے تھے۔ جھوٹ کہنا تو بہت بڑا جرم ہے، جھوٹ سننا بھی جرم ہے۔ اس پر بھی عذاب الٰہی نازل ہوجاتا ہے سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ۔۔۔ ان پر اس لیے عذاب آیا کہ یہ جھوٹ سنتے تھے، غلط باتیں سنتے تھے۔ اب یہاں ہماری زندگی ایسی ہوگئی ہے کہ ہم پلے سے پیسے دے کر ناول اور افسانہ خریدتے ہیں، ہمیں پتا ہوتا ہے یہ سارا جھوٹ ہے۔ پیسے بھی دیتے ہیں، وقت بھی دیتے، رات دن پھر اُسے پڑھنے پر لگاتے ہیں حالانکہ پتا بھی ہوتا ہے سارا مفروضہ ہے اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ دھکے کھا کر بلیک میں ٹکٹ لے کر فلم دیکھتے ہیں سب کو پتا ہوتا ہے کہ جھوٹی کہانی ہے۔ کسی کو شبہ ہے کہ یہ سچ ہے؟ پلے سے پیسے دے کر بازار سے کھانا لے آتے ہیں، گھروں میں پکانا چھوڑ دیا ہے۔ یہ پتا نہیں کہ حلال پکا ہے کہ حرام پکا ہے، پاک ہے یا ناپاک۔ اب یہ تہذیب ہوگی تو شرح صدر کہاں ہوں گے؟ نماز کی توفیق کہاں ہوگی؟ ایسی پیشانیوں کو وہ سجدہ کرنے کی توفیق کب دے گا؟ سننے کو جھوٹ، کھانے کو حرام، محافل میں جھوٹ، دھوکہ بازی۔ اور پھر دھوکہ بازی کو سیاست کہتے ہیں۔ عجیب سیاست ہے یار، صحابہ کرامؓ نے بھی سیاست کی، روئے زمین کو ہلا کر رکھ دیا۔ بڑی بڑی حکومتوں کو ہلا کر رکھ دیا، بڑے بڑے ممالک فتح کیے تو اُن کے تو قریب سے بھی جھوٹ نہیں گزرتا تھا۔ یہاں سارے ہی جھوٹ، نعرے بھی جھوٹ، وعدے بھی جھوٹ، قاعدے قانون بھی جھوٹ، ایک قانون بن گیا وہ غریب پر لاگو ہوجاتا ہے امیر پر نہیں ہوتا عجیب قانون ہے۔ تو میرے بھائی! ہر ایک کو یہ اللہ کریم نے میزان دے دیا ہے، ایک ترازو لگا دیا ہے قرآن کریم نے، ہر ایک کو اپنے آپ کو اس کے مطابق تو لنا چاہیے۔ ایک شیشہ گاڑ دیا ہے ہر ایک کو اپنا چہرہ اس میں دیکھنا چاہیے۔ پیر کو بھی، شیخ کو بھی دیکھنا یہ ہے کہ وہ استاد ہے تو کیا وہ آنے والوں کی تربیت پوری دیانت، امانت، خلوص اور پوری محنت سے کر رہا ہے؟ آنے والوں کو بھی دیکھنا ہے کہ کرایہ بھی خرچ کیا، وقت بھی صرف کیا، تکلیف بھی اٹھائی تو کیا پایا یا کیا سیکھا؟

میرے، ایک رشتے میں چچا ہوتے تھے تو انہیں ایک بڑی خانقاہ پر جانے کا بڑا شوق ہوتا تھا۔ سادہ سے کاشتکار آدمی تھے، کبھی گھر سے نکلتے تو دو چار دن غائب ہوجاتے۔ گھر والوں کو پتا ہوتا تھا کہ خانقاہ پر چلے گئے ہوں گے، جب واپس آتے تو روٹی کے باسی ٹکڑے باندھ رکھے ہوتے تھے۔ یہ کیا ہے؟ یہ لنگر ہے۔ تو میں انہیں کہتا تھا یار تو نے اتنے پیسے بھی خرچ کیے اور اتنے دھکے بھی کھائے اور چار دن بعد آئے اور باسی روٹیاں لے آئے، کیا فائدہ اس میں؟ یہ تو گھر میں ہی روٹی رکھ چھوڑتے تو وہ باسی ہوجاتی چوتھے دن کھالیتے۔ وہ جی آپ ایسے ہی کہتے ہیں اس میں بڑی برکت ہے۔ بالآخر وہ بیمار ہوئے، اب اُن کو اس خانقاہ سے وہ اُمیدیں تھیں جو بندے کو اللہ سے ہونی چاہئیں کہ بیمار ہوں گا تو شفا دیں گے، تکلیف آئے گی تو دور کردیں گے۔ زخم لگ گیا، شوگر تھی وہ ٹھیک نہیں ہو رہا تھا اُسی میں فوت ہوئے تو پیر صاحب کو گالیاں دیا کرتے تھے کہ ساری عمر اُس کے دروازے پر چل چل کر، ایسی تیسی اُس کی، وہ اتنے جوگا بھی نہیں کہ میرا زخم ٹھیک کردے۔ تو پھر ان چیزوں کا انجام تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ تو میرے بھائی اپنے رشتے کو اللہ کے لیے رکھو، اپنا جائزہ لو۔ ہم دوسروں کو ناپتے رہتے ہیں وہ کیسا ہے؟ اس کا جواب کوئی میں نے یا آپ نے دینا ہے؟ اپنا جواب خود دینا ہے۔ اپنے آپ کو ناپو، اپنے شرح صدر کو دیکھو، کیا حضور ﷺ کی بات سینے میں اترتی ہے یا پھنس جاتی ہے، حلق میں تو نہیں اٹک جاتی؟ اس پر کیوں، کیسے، کیا تو نہیں پیدا ہوتا؟ جب یہ پتا ہو کہ یہ حکم اللہ کے نبی ﷺ کا ہے تو بات ختم۔ شرح صدر یہ ہے کہ پھر وہ دل میں کھب جائے، پھر اس کے کرنے کو دل چاہے بلکہ اُس کے نہ کرنے سے دل دکھی ہو کہ یہ تو کرنا ہے۔ جیسا پیاسا پانی کی طرف لپکتا ہے ایمان والا اس طرح اطاعت نبوی ﷺ کی طرف لپکتا ہے اور اس کیفیت میں اللہ ایک نور سینے میں پیدا کردیتے ہیں کہ اس بندے کو بھلائی اور برائی میں تمیز آجائے۔ جب روشنی ہوتی ہے تو کیا ہوتا ہے؟ اچھا بُرا نظر آنے لگتا ہے، جب سینے میں نور ہوتا ہے تو برائی کڑوی لگتی ہے اور نیکی بھلی لگتی ہے۔ ایک کیفیت ہے اور پھر یہاں سے شروع ہوتی ہے تو وہاں تک پہنچتی ہے کہ جب بھی اللہ کا نام سنتا ہے، (بقیہ صفحہ نمبر 32 پر)

سورۃ کہف

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

توحید افعالی

قولہ تعالیٰ: مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ الکھف :26

ترجمہ: ان کا اللہ کے سوا کوئی بھی مددگار نہیں۔

''وجہ دوسرے کے ولی ومختار کامل نہ ہونے کی یہ ہے کہ اس کے سوا کسی کو حقیقتاً فاعلیت نہیں ہے۔''

فرمایا سالک کو اس میں یہ سبق ملتا ہے کہ اپنی ساری امیدیں رب العالمین سے وابستہ کرے، نہ دنیا داروں سے توقع رکھے نہ حکمرانوں سے توقع رکھے نہ پیشہ وروں سے توقع رکھے۔ اپنی ساری توقعات اپنی ساری امیدیں ذات باری تعالیٰ سے رکھے یہ حاصل ہے سلوک کا۔

ترغیب صحبت فقراء اہل اللہ

قولہ تعالیٰ: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ الکھف :28

ترجمہ: اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح اور شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لیے کرتے ہیں۔

''اس آیت میں حکم ہے ان فقراء کی صحبت کا جو اپنے مولیٰ کی خدمت کے لیے انقطاع اختیار کر چکے ہیں اور گو حضور ﷺ جو ان سے صحبت رکھتے تھے اس صحبت کا فائدہ ان فقراء کو پہنچتا تھا مگر دوسرے اس صحبت سے خود مستفید ہوں گے کیونکہ فقراء ایسی قوم ہے کہ ان کا جلیس محروم نہیں رہتا۔''

قرآن کریم نے بہت سی جگہوں پر بہت سے لوگوں سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الگ رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ اور بارگاہ الٰہی سے ارشاد ہوا ہے دو تین قسم کے افراد کے بارے کہ ان کی پرواہ نہ کیجئے۔ فرمایا گیا 'اعرض الیھم' ان سے اعراض کیجئے، انہیں الگ کر دیجئے۔ لیکن یہ ایک ایسی قوم ہے جس کے لیے یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ ان کی صحبت اختیار کیجئے وَاصْبِرْ نَفْسَكَ اپنے آپ کو ان کے ساتھ مقید رکھیئے۔ یہ ترجمہ ہے جو حضرت نے کیا ہے۔ یہ کون لوگ ہیں مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ جو اپنے رب کو پکار رہے ہیں، اپنے رب کا ذکر کر رہے ہیں یا اپنے رب کو یاد کر رہے ہیں ان کے ساتھ رہا کیجئے۔ یہ آیہ کریمہ جب نازل ہوئی تو تفاسیر میں بھی حدیث مبارک میں بھی موجود ہے کہ حضور ﷺ حجرہ مبارک سے مسجد میں جلوہ افروز ہوئے تو صحابہ کرام دو حلقوں میں بیٹھے ہوئے تھے ایک میں علم وعمل کی بات ہو رہی تھی، فقہی مسائل پر بات ہو رہی تھی، تعلیم وتعلم پہ بات ہو رہی تھی۔ ایک حلقہ علمی تھا اور کچھ صحابہ الگ بیٹھے ذکر میں مصروف تھے تو حضور ﷺ نے دونوں حلقوں کو دیکھا پھر ذاکرین کی طرف تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ جلوہ افروز ہو گئے اور فرمایا اس اللہ کا شکر ہے مجھے جن لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے وہ لوگ بھی عطا فرما دیئے ہیں۔ تو ذکر ایک ایسی نعمت ہے کہ اس سے علم بھی آ جاتا ہے، حصول علم بھی آسان ہو جاتا ہے۔ اس سے آئینہ دل صاف ہوتا ہے تو اس میں دین کو قبول کرنے کی استعداد بھی آ جاتی ہے۔ اکثر اوقات تو ایسا ہو جاتا ہے کہ من جانب اللہ علوم منکشف ہو جاتے ہیں بری چیزیں کھٹکنے لگتی ہیں، نیکی بھلائی کی طرف مزاج مڑ جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں اس میں

فضیلت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ذاکرین کی معیت کا حکم ارشاد فرمایا گیا۔

حق مرید بر پیر

قولہ تعالیٰ: وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ ، الکھف: 28

ترجمہ: آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پائیں۔

"اس میں پیروں کو حکم ہے کہ طالبین پر توجہ رکھیں اور ان سے اکتائیں نہیں۔"

فرماتے ہیں اس میں شیخ اور مرید کے لئے، جو تربیت کرتا ہے اس کے لیے یہ حکم ہے کہ ہر ایک طالب کا خیال رکھے، ہر طالب کو توجہ دے اور ایک بات یاد رکھیے بہت سے دوست کہتے ہیں کہ ہمیں توجہ دیں بہت سے لوگ خط بھی لکھتے ہیں، مجھے ای میل بھی آتیں ہیں۔ ایک بات میں آپ پر واضح کر دوں کہ شیخ بادل کی طرح برستا ہے اور وہ نہیں دیکھتا کہ کہاں زیادہ کہاں کم برسنا ہے تقسیم اللہ کی ہے، اللہ کریم تقسیم فرماتے ہیں۔ پھر استعداد اپنی ہوتی ہے کہ کس نے زمین کی کتنی تیاری کی تو یہ وہم رکھنا کہ مجھ پہ توجہ کم ہے یہ درست نہیں۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں کسی اور کو مراقبات کراتا۔ جس کو میں کرانا چاہتا ہوں اس کو ہوتے نہیں جس کو مجھے خیال بھی نہیں ہوتا وہ آتا ہے ذکر میں بیٹھتا ہے اس کے مراقبات ہو جاتے ہیں۔ تو شیخ جب توجہ کرتا ہے یا القا کرتا ہے تو اس میں تمیز نہیں ہوتی کہ کون کون ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ کہاں کہاں کتنے طالب ہیں ان سب پر ایک جیسی توجہ جاتی ہے۔ نتائج اس لیے مختلف مرتب ہوتے ہیں کہ ہماری وصول کرنے کی جو استعداد ہوتی ہے وہ مختلف ہوتی ہے۔ ہم جو اپنی کھیتی تیار کرتے ہیں وہ مختلف ہوتی ہے۔ جو بندہ زیادہ محنت کرتا ہے زیادہ صفائی کرتا ہے اسے زیادہ فائدہ ہوتا ہے ایک بندہ مجاہدہ کم کرتا ہے، آپ کھیتی میں ہل نہ چلائیں، کھاد نہ ڈالیں، بیج نہ ڈالیں صرف بارش سے تو کچھ نہیں ہوگا تو جتنی تاکید مرید شیخ کو کرتے ہیں چاہیے کہ اتنی تاکید وہ اپنے آپ کو کریں اور اپنی تیاری مکمل کریں اور پھر اس بات پہ یقین رکھیں کہ شیخ کبھی بخیل نہیں ہوتا۔ وہ جب توجہ کرتا ہے تو سب کے لیے ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کو ایک عجیب وہم ہوتا ہے کہ اس سرے سے اٹھ کر اس سرے پر آ کر بیٹھیں گے دور سے آ کر نزدیک بیٹھیں گے یہ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اب ہم یہاں ذکر کرتے ہیں آپ تو اس مسجد میں بیٹھے ہیں اور روئے زمین پر جو آپ کے ساتھ ذکر کر رہے ہوتے ہیں ان کا کیا ہوگا؟ اس وقت ہمارا نو سے دس کا ذکر ہوتا ہے تقریباً سارا بین الاقوامی ہوتا ہے پوری دنیا کے لوگ آسٹریلیا سے لے کر امریکہ کی مغربی سرحدوں تک اور افریقہ سے چائنہ تک کے لوگ اس میں شامل ہوتے ہیں تو وہ کس کے قریب بیٹھے ہیں؟ برکات و انوارات الٰہی ہر جگہ پہنچتے ہیں، ہر ایک کی قبول کرنے کی ایک استعداد ہے۔ ایک فرق ہوتا ہے دور اور نزدیک میں۔ ایک بندہ دور بیٹھ کر ملک سے باہر یا شہر سے باہر ذکر کر رہا ہے۔ تو جو بندہ سامنے آ گیا مجلس میں بیٹھ گیا اس کی کیفیت الگ ہو جاتی ہے فکری طور پر کہ اس کے حواس ظاہری بھی اور ہر متوجہ ہو جاتے ہیں یہ کیفیت دور بیٹھ کر نہیں ہوتی۔ اس لیے صوفیاء کہتے ہیں کہ

"سگ حضوری بہ از ملک دوری"

کہ پاس رہنے والا کتا دور رہنے والے فرشتے سے زیادہ فائدہ اٹھالیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ اس پر شیخ زیادہ توجہ کرتا ہے اور دور پر کم۔ وجہ یہ ہوتی ہے کہ پاس رہنے والے کے فطری طور پر حواس ظاہری بھی اس طرف متوجہ ہو جاتے ہیں تو دل اور زیادہ متوجہ ہو جاتا ہے۔ جتنی دیر ذکر ہوتا رہا وہ متوجہ الی اللہ ہوا اور دعا مانگ کر چلا گیا اور پھر اپنے امور میں مصروف ہو گیا تو یہ فرق ہے۔

مذمت میلان باہل الدنیا

قولہ تعالیٰ: تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ، الکھف: 28

ترجمہ: دنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے

"اس میں مذمت ہے اغنیاء کی طرف میل اور تواضع کرنے کے جس کا سبب ان کا غنا ہونا۔"

دنیادار کی خوشامد کرنے کی مذمت کی گئی ہے کہ جو ملتا ہے بارگاہ الٰہی سے ملتا ہے کسی امیر کسی حکمران نے کچھ نہیں دینا اور یہ سلوک و تصوف ایک بہت قیمتی چیز ہے۔ عام زندگی میں بھی آپ تجربہ کر لیجئے جس کے پاس جتنی دولت ہوتی ہے وہ اتنا ہی اس دولت پر فدا ہوتا ہے دوسرے کو دھیلا بھی نہیں دیتا تو دنیادار کے پیچھے اس لالچ کے کہ مجھے کوئی فائدہ ہوگا یا جانا فضول ہے۔ غریب آدمی امیر کے در پر پڑا ہے تو وہ تو اس سے اپنی خدمت لیتا ہے دیتا کچھ نہیں تو سالک کو اپنی ساری توقعات ربّ العالمین سے رکھنی چاہئیں دنیا داروں سے نہیں۔

ساتھیوں میں میں نے اس کمزوری کو دیکھا ہے کہ کوئی افسر آ جائے تو اس کے آگے پیچھے ہو جاتے ہیں اور باقی دوستوں کو پوچھتے نہیں یہ غلط بات ہے۔ یہاں جو بھی آتا ہے وہ نہ بڑا ہے نہ چھوٹا ہے۔ وہ سالک ہے۔ اس کی وہ عزت ہونی چاہیے جو بحیثیت اللہ کے مہمان کی ہے اور جس حیثیت کا وہ مستحق ہے اس میں سب برابر ہیں۔ اس گیٹ سے باہر وہ امیر ہے یا فقیر ہے یہ اس کا مسئلہ ہے۔ اس دروازے سے اندر آیا تو اللہ کا مہمان ہے۔ اس کا احترام کرنا، اس سے احترام سے پیش آنا اور اسے طریقہ بتانا تربیت کرنا، توجہ دینا یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ ہمیں اللہ سے اس کا اجر لینا ہے مفت نہیں کر رہے۔ ہم ملازم ہیں اس بارگاہ کے اور ہمیں یہ محنت کرنی ہے۔ اس میں اگر یہ امید شامل ہو جائے کہ میں اگر اسے روٹی پانی پکڑاؤں جب باہر جاؤں گا تو یہ بڑا افسر ہے میرے کام آئے گا تو وہاں سلوک ختم ہو گیا۔ وہاں تصوف کی بات ختم ہو گئی پھر آگے دنیاداری کی بات آ گئی پھر اس کو کیا فائدہ ہوگا۔ کرنے والے نے اپنا بھی نقصان کر دیا اور یہ مرض دیکھنے کو ملتا ہے اس لیے یہ میری گزارش ہے احباب سے کہ اس سے بچنے کی کوشش کریں۔

استغناء از اھل الدنیا

قولہ تعالیٰ: وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا

الکھف: 28

ترجمہ: اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا حال حد سے گزر گیا ہے۔

''اس میں مجوبین غافلین کی اطاعت سے منع کیا گیا ہے اور اسی اطاعت میں تواضع بھی داخل ہے۔ کیونکہ وہ حالاً اس کا طالب ہے گو مقالاً ظاہر نہیں کرتا۔''

جس کا قلب ذاکر نہیں ہے اس کی بات ماننے سے نبی کریم ﷺ کو منع فرمایا جا رہا ہے اور قلب کے ذاکر نہ ہونے کی نسبت اللہ کریم نے اپنی طرف کی ہے اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا۔ اس کا مطلب ہے ذکر قلبی تک رسائی نہ ہونا اللہ کی طرف سے ایک سزا ہے۔ وہ اچھا مسلمان ہو، اطاعت گزار ہو، نجات پا جائے یہ ممکن ہے لیکن جو حصول حق ذاکر کو نصیب ہوگا اسے وہ نصیب نہیں ہوگا۔

نیک آدمی بھی ہو سکتا ہے، عالم ہو سکتا ہے، پرہیز گار ہو سکتا ہے اور ہو سکتا ہے اس کا دل ذاکر نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نجات پا جائے گا بخشش ہو جائے گی لیکن جو لطف و کرم ذاکر پر ہوگا وہ اس پر نہیں ہوگا۔ تو اس لیے یہاں جو دل ذاکر نہیں ہے اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے کہ ہم نے اس کے دل کو اپنی یاد سے غافل کر دیا۔ اس کا مطلب ہے یہ بھی ہماری کسی خطا کا اثر ہے کہ ہمیں ذکر قلبی نصیب نہیں اور پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کی بات مت مانیئے جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا وَلَا تُطِعْ اس کی بات مت مانیئے۔ میرے خیال میں اس سے بڑی محرومی کا کوئی تصور نہیں ہے اور سالکین کو بھی اس میں یہ بہت بڑی تنبیہہ ہے کہ جو ذکر ہی نہیں کرتے آپ ان کے لحاظ کرنے کے لئے، ان کی خوشامد کرنے کے لیے اور ان سے امیدیں وابستہ کرنے میں کیا لگے رہتے ہیں۔ جو خود اس نعمت سے محروم ہیں آپ ان سے امید کیوں وابستہ کرتے ہیں۔ تو ذکر قلبی کا نصیب نہ ہونا بہر حال ایک محرومی ہے۔ ایمان بھی صحیح ہو، عقیدہ بھی درست ہو، عمل بھی

ٹھیک ہو نجات بھی ہو جائے پھر بھی ذکر قلبی کا نصیب نہ ہونا اس لطف سے محروم کردے گا جو ذاکرین پر کرم ہوگا۔

فضیلت توکل

قولہ تعالیٰ: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ الکھف:32

ترجمہ: آپ ان لوگوں سے دو شخصوں کا حال بیان کیجئے۔

''اس میں فقراء متوکلین علی اللہ کو تسلی اور اغنیاء مغرورین کو تنبیہ کی گئی۔''

فرماتے ہیں اس میں اللہ پر توکل کرنے والے اہل اللہ کو جو صلہ دیا گیا ہے اور دنیا داروں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اسباب ظاہری کے پیچھے کارفرما عوامل بے شک انسان کو نظر نہ آئیں لیکن وہ موجود ہوتے ہیں۔ اسباب دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک سبب وہ ہوتا ہے جو ہر ایک کی سمجھ میں آتا ہے۔ ایک سبب وہ ہوتا ہے جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتا لیکن سبب ہوتا ہے جیسے ہمارے سامنے یہ گھڑی چل رہی ہے اس کا چلنا تو ہماری سمجھ میں آتا ہے۔ اس کے پیچھے کیا ہے، یہ کیوں چل رہی ہے، پیچھے بجلی ہے، بجلی کیسے چلا رہی ہے، اس میں مشین ہے، مشین میں کتنے پرزے ہیں، یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ہم صرف یہ دیکھ رہے ہیں کہ اس کا کنکشن لگا ہوا ہے اور یہ مشین چل رہی ہے۔ اب اس کے پیچھے بہت سے عوامل کارفرما ہیں وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔ تو کیا ہماری سمجھ میں نہ آنے سے وہ اسباب موجود نہیں ہیں؟ وہ اسباب موجود ہیں وہ اپنی جگہ کام کر رہے ہیں تو فرمایا یہ جو دنیا دار ہیں جن کی سمجھ میں متوکلین کا شیوہ نہیں آتا کہ یہ کس طرح اللہ پر بھروسہ کر کے بیٹھے ہیں یہ کام تو نہیں ہو سکتا۔ نہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ قادر ہے، اسباب بھی اس کی مخلوق ہیں، اس کے حکم کے منتظر ہیں، جس کا جو کام جب چاہے کردے۔ ایسے سبب بھی بن جاتے ہیں جو سامنے آجاتے ہیں تو ایسے اسباب بھی ہوتے ہیں جو نظر نہیں آتے۔

مذمت غرور

قولہ تعالیٰ: وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ الکھف:47

ترجمہ: اس دن کو یاد کرنا چاہیے جس دن ہم پہاڑوں کو ہٹا دیں گے اور آپ زمین کو دیکھیں گے کہ کھلا میدان پڑا ہے اور ہم ان سب کو جمع کر دیں گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے۔

''ابن عطاء نے فرمایا ہے کہ اس مضمون سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اظہار جبروت اور قدرت کاملہ اور عزت عظیمہ پر اس لیے دلالت فرمائی ہے تا کہ بندہ اس موقف کے لیے تیاری کرے اور اپنا باطن وظاہر اس روز کے خطاب وجواب کے لیے درست کرلے''

تو فرماتے ہیں کہ اللہ کریم نے اپنی عظمت جبروت اور قدرت کاملہ کا اظہار فرمایا ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ بندے کو اس وقت کے لیے تیاری کرنی چاہیے اور بالخصوص سالک کو یاد رکھنا چاہیے کہ قیامت قائم ہونی ہے اور بہت بڑا حادثہ ہونا ہے تو اپنی محنت حصول رضائے باری کے لیے کرے نہ کہ ذاتی شہرت کے لیے یا قیامت سے پہلے خرچ کرنے کے لیے نہیں اس وقت کو سامنے رکھ کر کرے۔

سعی بلیغ وطلب مرشد

قولہ تعالیٰ: وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا الکھف:60

ترجمہ: جب موسیٰ نے فرمایا کہ ہم یوں ہی زمانہ دراز تک چلتے رہیں گے۔

''اس میں شیخ کامل کی تلاش میں سعی بلیغ کرنا ثابت ہوتا ہے جب تک اس سے زیادہ کوئی واجب فوت نہ ہو جاوے۔''

فرماتے ہیں موسیٰ کا یہ فرمانا حضرت خضر سے ملاقات ہوئی تو صدیوں چلنا پڑا۔ حقبہ کہتے ہیں اس دراز مدت کو کہ ایک حقبہ سو صدیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ اگر ہمیں کئی حقبے بھی چلنا پڑے تو چلتے رہیں گے تو فرماتے ہیں شیخ کامل کی تلاش میں اپنے مقدور سے بھی زیادہ محنت کرنی چاہیے۔ قرآن کریم کی اس آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ شیخ کی تلاش میں بہت زیادہ محنت کرے اور حتی المقدور اپنی حیثیت سے بڑھ کر تلاش کرے، ڈھونڈے۔

اکرم التفاسیر

سورۃ مریم آیات 83-98

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ بے شک ہم نے شیاطین کو کفار پر چھوڑ رکھا ہے وہ ان کو

الْکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۞ فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ

(گمراہی پر) خوب ابھارتے رہتے ہیں۔ آپ ان کے بارے میں جلدی نہ کیجئے یقیناً ہم

اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۞ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ

ان کی باتیں (دن) خود شمار کر رہے ہیں۔ جس روز ہم متقیوں (پرہیزگاروں) کو رحمٰن کے

اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۞ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ

ہاں بطور مہمان جمع فرمائیں گے اور مجرموں کو دوزخ کی طرف (پیاسا) ہانکیں گے۔

وِرْدًا ۞ لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ

تو لوگ کسی کی سفارش کا اختیار نہ رکھیں گے مگر ہاں جس نے رحمٰن سے عہد (اجازت)

الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۞ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۞

حاصل کیا ہو۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن (اللہ) بیٹا رکھتے ہیں۔

لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا ۞ تَکَادُ السَّمٰوٰتُ

(ایسا کہنے والو!) بے شک تم نے بہت بری بات کہی ہے۔ قریب ہے

یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ

اس (افتراء) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر

هَدًّا ۞ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۞

گر پڑیں۔ اس بات سے کہ یہ لوگ رحمٰن کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں۔

وَمَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ۞ اِنْ کُلُّ مَنْ فِی

اور رحمٰن کی یہ شان نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے۔ جو کوئی بھی آسمانوں یا زمین میں ہے

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۞

سب رحمٰن کے روبرو بندے (غلام) ہو کر حاضر ہوں گے۔

لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۞

یقیناً اس نے سب کو (اپنی قدرت سے) احاطہ کر رکھا ہے اور سب کو شمار کر رکھا ہے۔

وَ کُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا ۞ اِنَّ الَّذِیْنَ

اور قیامت کے دن سب اس کے پاس اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔ بے شک جو لوگ ایمان

اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ

لائے اور نیک عمل کیے رحمٰن (اللہ) ان کے لیے (مخلوق کے دلوں میں) محبت پیدا

لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۞ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ

فرمادیں گے۔ پس یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں آسان فرمایا ہے تاکہ اس سے آپ

لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۞

پرہیزگاروں کو خوش خبری پہنچائیں اور جھگڑا کرنے والوں کو اس کے ذریعے (انجام بد سے) ڈرائیں۔

وَ کَمْ اَهْلَکْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ

اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا ہے بھلا آپ ان میں سے کسی کو

اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِکْزًا ۞

دیکھتے ہیں یا ان کی کوئی بھنک سنتے ہیں؟

کافر پر شیاطین کا تسلط:

فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا○ آپ (ﷺ) دیکھتے ہیں کہ ہم کافروں پر شیطانوں کو مسلط کر دیتے ہیں اور وہ انہیں مزید گمراہی پر ابھارتے رہتے ہیں، اور مزید گناہوں میں دھکیلتے رہتے ہیں۔ کفر اختیار کرنا بہت ہی بڑی بدنصیبی ہے کفر اور کی یہ ایک مصیبت ہی کافی ہے کہ اللہ کریم کافر کو شیطانوں کے حوالے کر دیتے ہیں اور وہ زندگی بھر اس سے کھیلتے رہتے ہیں اور اُن پر

مسلط ہو کر انہیں مزید برائی پہ ابھارتے رہتے ہیں۔ ہر گناہ کا ردِ عمل دل کی پریشانی کی صورت میں اس پر وارد ہوتا رہتا ہے اور اس کی دنیا بھی جہنم نما بن جاتی ہے۔ آخرت کا مدار چونکہ اس چند روزہ زندگی پر ہے تو کافر کفر پر زندگی گذار کر ابدی زندگی تباہ کر لیتے ہیں۔

نورِ ایمان کی برکت:

نورِ ایمان کی سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ اللہ کریم شیاطین سے حفاظت فرماتے ہیں۔ مومن گناہوں سے بچتا ہے، نیک اعمال کرتا ہے جس کا صلہ اُسے دنیا میں سکون اور اطمینانِ قلب کی صورت میں ملتا ہے، اور زندگی بھی آرام سے بسر ہوتی ہے اور آخرت میں بھی سرخروئی نصیب ہوتی ہے۔

انسان کے پاس محدود مدت ہے:

فرمایا: فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ان کے معاملے میں جلدی نہ کیجیے کہ یہ خیال ہو کہ ابھی کسی نے غلطی کی اور وہ فوراً اسی وقت تباہ ہو جائے گا، ایسا نہیں ہے۔ انسان کے پاس تو گنتی کے دن ہیں، بہت محدود سی مدت ہے، تھوڑی سی زندگی ہے اور اس پر ہمیشہ کی زندگی کا مدار ہے۔ اگر اس چند روزہ زندگی میں یہ اپنی ابدی زندگی کو تباہ کر رہا ہے تو اس سے بڑی سزا اور کیا ہوگی۔ لہٰذا جلدی کی ضرورت نہیں ہے، ہم نے دن شمار کر رکھے ہیں یعنی ہر بندے کی زندگی کے لمحات گنتی کے ہیں اور عنداللہ شمار ہیں لہٰذا کوئی بھی اپنی زندگی سے ایک لمحہ زیادہ نہیں جیتا اور نہ ہی کوئی ایک لمحہ پہلے مرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مہلت عطا فرمائی اور انسان کو اختیار دیا، فرمایا: إِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (الدھر:3) ہم نے دونوں راستے واضح کر دیئے ہیں اور انسان کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ اطاعت اور شکر گزاری کا راستہ چنتا ہے یا نافرمانی اور ناشکری کا۔ اگر وہ اطاعت کا راستہ چنتا ہے تو اللہ کریم اس کی حفاظت فرماتے ہیں، مدد فرماتے ہیں اور مزید نیکیوں کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ اگر وہ نافرمانی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اللہ کریم اس کی حفاظت نہیں فرماتے، اُسے شیاطین کے حوالے کر دیتے ہیں جو اُسے مزید گمراہ کرتے رہتے ہیں۔

قرآن ایک آئینہ ہے:

قرآن ایک آئینہ ہے جو ہر ایک کو اس کی اصلیت دکھا دیتا ہے لہٰذا ہر ایک کو آیاتِ مبارکہ کے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھنا چاہیے، اپنا حال دیکھنا چاہیے اور یہ جائزہ لینا چاہیے کہ اگر مجھے نیکی کی توفیق نصیب ہے اور مزید نیکی کی طرف جا رہا ہوں اور سکون و اطمینانِ قلب نصیب ہے تو اللہ کا کرم ہے اور نورِ ایمان نصیب ہے۔

اس کے برعکس اگر گناہ کی رغبت بڑھ رہی ہے اور برائی کی طرف جا رہا ہوں، لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہوں، ناجائز ذرائع سے مال و دولت جمع کر رہا ہوں دوسروں کے حقوق غصب کر رہا ہوں تو یہ سوچنا چاہیے کہ میں غلط سمت میں جا رہا ہوں، کہیں حفاظتِ الٰہیہ سے محروم تو نہیں ہو گیا؟ اگر یہ بات ہے تو پھر مجھے اپنے ایمان کے بارے میں سوچنا ہوگا کہ میرا دعویٰ ایمان تو ہے، لیکن کیا واقعی ایمان ہے بھی یا نہیں؟ ایمان کی دلیل تو یہ ہے کہ اللہ کریم شیاطین سے حفاظت فرماتے ہیں اور نیکی کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ ہم میں سے ہر فرد کو اپنا تجزیہ کرتے رہنا چاہیے لیکن آج کا المیہ یہ ہے کہ ایسی کوئی تنبیہہ والی آیت ہو تو ہم اسے کافروں کے لیے مختص کر دیتے ہیں اور کوئی خوشخبری دینے والی آیت ہو تو نیکوں کے لیے سمجھتے ہیں اور خود کو الگ رکھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم ایک ایک فرد کو مخاطب کرتا ہے۔ جو بھی تلاوت کرتا ہے قرآن اس سے بات کر رہا ہوتا ہے۔

قیامت کا دن اہلِ تقویٰ کی مہمانداری کا دن:

فرمایا: يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ایک ایسا دن آئے گا جب اللہ کے نیک بندوں کو، اہلِ تقویٰ کو اللہ، رحمٰن کی بارگاہ میں بطورِ مہمان جمع فرمایا جائے گا۔ جب قیامت کا دن ہوگا، میدانِ حشر ہوگا تو جن لوگوں نے اللہ کی اطاعت کی، اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت کی اور تقویٰ اختیار کیا یعنی زندگی اس طرح گزاری کہ اللہ کی ناراضگی سے ڈرتے رہے بچتے رہے تو اُن لوگوں کو اللہ کی بارگاہ میں اس طرح جمع کیا جائے گا جیسے مہمان آتے ہیں۔ مہمان جس کے ہاں بھی جائے، میزبان حتی المقدور اپنی حیثیت کے مطابق اس کی خدمت کرتا

ہے۔ جب اللہ کریم، اہلِ تقویٰ کو بطور مہمان جمع فرمائیں گے تو اس کا مطلب ہے کہ قیامت کا دن اہلِ تقویٰ کی عزت افزائی اور مہمان نوازی کا دن ہوگا اور ان پر نعمتوں اور انعامات کی بارش کا دن ہوگا۔

یاد رہے کہ تقویٰ ایک قلبی کیفیت کا نام ہے، چونکہ اُردو کا دامن تنگ ہے لہٰذا اس کا ترجمہ "ڈر" کیا گیا ہے جو اس کا حق ادا نہیں کرتا۔ تقویٰ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے کا ڈر ہے کہ بندے کو بات کرنے، عمل کرنے سے پہلے یہ خیال آئے کہ میں جو کہنے لگا ہوں، اس بات سے اللہ کریم راضی ہوں گے یا ناراض ہوں گے۔ یہ ناراضگی کا ڈر، تقویٰ کہلاتا ہے۔ اس طرح کام کرنے سے پہلے یہ خیال آئے کہ یہ کام کہیں اللہ کو ناراض نہ کردے، میں آپ ﷺ کی نافرمانی تو نہیں کرنے چلا، یہ ڈر تقویٰ ہے۔

قیامت کا دن مجرمین کی رسوائی کا دن:

جن لوگوں نے دنیا میں اللہ کی اطاعت سے منہ موڑا، اللہ کے نبی کا اتباع چھوڑا اور ہوسِ دنیا میں عمر ضائع کی فرمایا: وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ○ اُن بدکاروں کو پیاسا جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔ جب کسی کو ذِلت اور تحقیر کے ساتھ کہیں لے جایا جائے اور پیچھے مارنے پیٹنے والے مارتے پیٹتے لے جا رہے ہوں تو اس عمل کو ہانکنا کہتے ہیں۔ اس فعل میں ذلت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ فرمایا، جب یہ بدکار قیامت کی گرمی میں پیاس سے تڑپ رہے ہوں گے تو اسی پیاس کی حالت میں انہیں دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا۔ فرشتے انہیں مارتے پیٹتے، گھسیٹتے ہوئے لیے جارہے ہوں گے۔ فرمایا: لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ○ اور کوئی اُن کی سفارش کا بھی اختیار نہیں رکھتا ہوگا اس لیے کہ اللہ کریم نے کفر اور کافر کی سفارش سے بھی منع فرما دیا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں سفارش بھی اس کی اجازت سے ہوتی ہے اور اس کی بارگاہ اتنی عالی ہے کہ وہاں کسی کی کوئی حیثیت نہیں ہے جب تک وہ خود کسی کو اجازت نہ عطا فرمائے۔ دنیا میں تو کوئی بااثر بندہ، کوئی صاحبِ اقتدار ہو یا صاحبِ مال و منال ہو تو وہ کسی کا سفارشی بن کر چل پڑتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی بات کو کوئی رد نہیں کرسکتا لیکن اللہ کی بارگاہ میں ایسا نہیں ہوسکے گا۔ کفار کو اللہ کریم نے اس سے محروم کردیا ہے اور اُن کی طرف سے کوئی اللہ کی بارگاہ میں عرض بھی نہیں کرے گا۔ ان کے جرائم اتنے بڑے ہیں ان کے کردار میں ایسی ظلمتیں ہیں کہ وہ ناقابلِ سفارش ہیں۔

ناقابلِ معافی جرم:

ان کے جرائم میں سے یہ بات بھی ہے کہ یہ کہتے ہیں: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ○ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ○ کہ اللہ، رحمٰن کا بیٹا بھی ہے۔ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے، یہ کہنا اتنی بڑی جسارت ہے اور یہ انتہائی بری بات ہے، یہ حد سے گزر گئے ہیں۔ بیٹا باپ کی جنس ہوتا ہے۔ انسان کا بیٹا انسان ہوتا ہے، حیوان کا بچہ حیوان ہوتا ہے، شیر کا بچہ شیر ہوتا ہے، بیل کا بچہ بیل ہوتا ہے، کمزور سہی باپ جیسا نہ سہی لیکن ہوتا باپ کی صفات لیے ہوئے ہے۔ انسان کا بیٹا انسان ہوتا ہے اگر باپ سے کم درجہ پہ بھی ہو لیکن انسانی خصوصیات تو اس میں ہوں گی۔ اگر اللہ کریم کا (معاذ اللہ) کوئی بیٹا ہوتا تو پھر اللہ واحد لاشریک نہ رہتا، پھر بیٹے میں بھی الوہیت کی صفات ہوتیں، بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟ یہ تو جسارت ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

اللہ کی ساری مخلوق میں شعور ہے:

فرمایا: تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ○ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ○

اگر کوئی زمینوں سے کہے، آسمانوں سے کہے پہاڑوں سے کہے کہ تم یہ دعویٰ کرو کہ اللہ کا بیٹا ہے تو آسمان پھٹ جائیں گے یہ دعویٰ نہیں کریں گے۔ زمین پھٹ جائے گی، تباہ ہوجائے گی یہ دعویٰ نہیں کرے گی۔ پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوجائیں گے لیکن یہ جرأت کبھی نہیں کریں گے کہ وہ یہ کہیں کہ اللہ کا بیٹا ہے یعنی جو غیر مکلف مخلوق ہے وہ بھی مٹ جانا پسند کرے گی لیکن یہ جرأت نہیں کرے گی کہ وہ کہے کہ اللہ کا بیٹا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کی ساری مخلوق میں زندگی بھی ہے اور شعور بھی ہے۔ ہر مخلوق کا شعور، اس کی حیات اس کے اپنے مطابق ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں جیسے انسان جوابدہ ہیں اسی طرح ساری مخلوق، شجرہ وحجر، پہاڑ

جوابدہ ہیں۔ فرمایا کہ اگر کوئی آسمانوں سے کہے کہ تم یہ دعویٰ کرو کہ اللہ کا بیٹا ہے تو وہ پھٹ جانا پسند کریں گے، پھٹ جائیں گے، مٹ جائیں گے لیکن یہ دعویٰ نہیں کریں گے۔ ایسے ہی زمین پھٹ جائے گی، شق ہو جائے گی لیکن یہ دعویٰ نہیں کرے گی، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے لیکن ایسا دعویٰ نہیں کریں گے۔ ہر چیز اپنے عمل کا ایک فوری نتیجہ پاتی ہے، درخت ہوں، سبزہ ہو، زمین ہو، نباتات ہوں، جمادات ہوں، پہاڑ ہوں، ان کے عمل کا ردِّعمل فوراً آ جاتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنی اسرائیل: 44) کہ کائنات میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح، اللہ کا ذکر نہ کرتی ہو۔ اس کا مطلب ہے جو چیز بھی ذکر چھوڑ دیتی ہے اس کا وجود معدوم ہو جاتا ہے۔ اس کا ردِّعمل یہ ہوتا ہے کہ چشمے ندیاں خشک ہو جاتے ہیں، پہاڑ گر جاتے ہیں، چٹانیں شق ہو جاتی ہیں، زمین پھٹ جاتی ہے۔ ان تمام چیزوں کو ہر حال میں اللہ کا ذکر کرنا، اللہ کی تسبیح بیان کرنی ہے۔ انہیں مہلت نہیں دی گئی نہ ہی انتخاب کا اختیار دیا گیا ہے اسی لیے جو چیز ذکر چھوڑتی ہے وہ فنا ہو جاتی ہے۔ یہ صرف انسان ہے جسے فرصت دی گئی اور اختیار دیا گیا کہ زندگی میں جو چاہے راستہ اختیار کرے۔ موت کے بعد حساب دینا ہوگا، لیکن انسان کے عمل کا بھی ایک فوری ردِّعمل ہوتا ہے۔ موت کے بعد تو گرفت ہوگی، جزا و سزا ہوگی لیکن زندگی میں ہر کام کا ایک فوری ردِّعمل ضرور ہوتا ہے۔ نیکی کا ردِّعمل یہ آتا ہے کہ دل کو سکون ملتا ہے، اللہ کی یاد نصیب ہوتی ہے، اللہ کے احسانات کا مزید ادراک ہوتا ہے اور مزید نیکی کرنے کو دل چاہتا ہے۔ برائی کا ردِّعمل یہ ہوتا ہے کہ دل سیاہ ہو جاتا ہے، اللہ کا خوف دل سے نکل جاتا ہے، اللہ کی عظمت کا احساس نہیں رہتا، صداقتِ پیغمبر ﷺ کا شعور نہیں رہتا۔ زندگی میں کبھی اللہ کو یاد کرنے کی فرصت نہیں ملتی اور مزید برائی کرنے کا دل چاہتا ہے۔ فرمایا، یہودیوں نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، عیسائیوں نے دعویٰ کر دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، یہ اتنا شدید جرم ہے اور اتنی بڑی جسارت اور بے باکی ہے کہ انہیں تھوڑی سی فرصت ملی اور یہ اتنا بڑا دعویٰ کر بیٹھے حالانکہ اللہ ان چیزوں سے وراء الوریٰ ہے اس کی ذات بے مثل و بے مثال ہے۔ اگر آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں کو کہا جائے کہ یہ بات کہو کہ اللہ کا بیٹا ہے تو وہ پھٹ جانا تباہ ہو جانا، پسند کر لیں گے لیکن یہ دعویٰ ہرگز نہیں کریں گے۔

اللہ کی ذات بے مثل و بے مثال ہے:

اللہ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ فرمایا: وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ○ اللہ واحد و لاشریک ہے، بے مثل ہے، بے مثال ہے اور اس کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ کوئی دوسرا اس جیسا ہو یا کوئی اس کا بیٹا کہلائے کیونکہ بیٹا باپ کے اوصاف کا حامل ہوتا ہے۔ اگر اللہ کا بیٹا ہوگا تو وہ بھی اِلٰہ ہوگا، اس میں معبودیت کی خصوصیات ہوں گی۔ اللہ واحد ہے لاشریک ہے، وہ خالق ہے ساری کائنات کا لیکن کوئی اللہ کا خالق نہیں۔ وہ مالک ہے ساری کائنات کا لیکن کوئی اس کا مالک نہیں نہ ہی کوئی اس کی ذات و صفات میں شریک ہو سکتا ہے۔ وہ بے مثل و بے مثال ہے۔

تمام مخلوق اللہ کی مملوک ہے:

فرمایا: اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ○ اس کی شان تو یہ ہے کہ کائنات کا ہر ذرّہ، آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق، اللہ کی مخلوق ہے، اس کی مملوک ہے اور اس کی عبادت کرنے والی ہے۔ اس جیسا کوئی نہیں ہے سب اُس کی مخلوق ہیں، غلام ہیں۔ اپنے وجود میں بھی، اپنے پیدا ہونے اور قائم رہنے میں بھی، اپنے مرنے اور دوبارہ زندہ ہونے میں بھی ہر لحہ ہر کام میں اللہ کی قدرتِ کاملہ کے محتاج ہیں۔ وہ مالک ہے سب کا، انسان ہوں یا کوئی دوسری مخلوق، ملائکہ ہوں یا آسمان ہوں، عرش ہوں، تمام مخلوق اس کی تابعدار ہے اور سب اس کی بارگاہ میں غلام ہو کر حاضر ہوں گے۔

اللہ کی قدرت کاملہ:

فرمایا: لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ○ اللہ کی قدرتِ کاملہ نے ہر چیز کو اپنے حصار میں لے رکھا ہے، اس کا احاطہ کر رکھا ہے۔ کوئی بھی شئے اس کے دستِ قدرت سے باہر نہیں ہے۔ ہر ذرّہ، ہر جاندار، انسان فرشتہ، شجر و حجر، دریا، پہاڑ آسمانی یا عرشی مخلوق سب اس کی قدرتِ کاملہ

کے نہ صرف حصار میں ہیں بلکہ اس نے ہر ایک کو، تمام ذرات کو بلکہ ہر ذرّے کے اندر کیا ہے، وہ بھی شمار کر رکھا ہے کہ وہ اُن ذرّات کا خالق بھی ہے، وہی انہیں جانتا ہے اور شمار کر سکتا ہے فرمایا: وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ○ قیامت میں ساری مخلوق تن تنہا اس کی بارگاہ میں حاضر ہوگی اور ہر ایک کو اپنا جواب دینا ہوگا۔ دنیا کے لاؤ لشکر، خزانے، حکومت واقتدار، محلات، خدام وسامان، وہاں کچھ بھی ساتھ نہ ہوگا۔ صرف اللہ کی بارگاہ میں انسان کی ذات ہوگی۔ ہر ایک کو فرداً فرداً، اکیلے اکیلے اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہوگا۔ ساری کائنات کا ہر ذرّہ تن تنہا اپنی جوابدہی کو حاضر ہوگا۔ البتہ یہ عجیب بات ہے کہ کچھ لوگوں کے ساتھ ان سے محبت کرنے والے بھی ہوں گے۔ یہ کون لوگ ہیں جن کے ساتھ کچھ اُن کے چاہنے والے بھی ہوں گے؟

فرمایا ہر کوئی تنہا تنہا میری بارگاہ میں حاضر ہوگا لیکن بہت سے ایسے روشن سینے ہوں گے جن کے ساتھ اُن کے محبت کرنے والے بھی ہوں گے۔ فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ○ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے دلوں میں نورِ ایمان ہوگا اور ان کے اعمال صالح ہوں گے، اللہ اُن کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت پیدا کر دیں گے۔

محبت کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، اس پر بہت شاعری کی گئی ہے اور اس کی بے شمار تشریحات کی گئی ہیں۔ لوگوں نے اپنے اپنے انداز میں محبت کی حقیقت اور اس کے نتائج بیان کیے ہیں لیکن کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکا کہ اس نے جو کہا ہے وہ حتمی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ جو بات فرماتے ہیں وہ صحیح ترین اور حتمی بات ہے۔ فرمایا جن لوگوں نے مجھے مانا، میرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مانا، میرے دین کو، میری کتاب اور آخرت کو مانا اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لی اُن کے دلوں میں ہم باہم محبت پیدا کر دیں گے۔ یعنی محبت وہ رشتہ ہے جو عظمتِ الٰہی اور صداقتِ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پہ متفق ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ مشترک ہو جائے گا۔ محبت ایک انتہائی قیمتی جذبہ ہے جو اللہ کریم عطا فرماتے ہیں، یہ وہ رشتہ ہے جو اللہ کے لیے، نیکی کے لیے دو دلوں میں بنتا ہے۔ جن لوگوں میں باہم رشتوں کی بنیاد اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر ہوگی، ذکر الٰہی اور یادِ الٰہی پر ہوگی اُن کے لیے، اللہ جو رحمٰن ہیں، محبت بنا دیں گے۔ یعنی محبت وہاں بنتی ہے جہاں اللہ بنا دیں کہ یہ اللہ کی بہت بڑی صفت ہے اور اُس کی عطا سے ہی کسی کو اس کا کوئی ذرّہ نصیب ہوتا ہے۔

محبت وہ جذبہ ہے جسے کوئی توڑ نہ سکے، جسے موت بھی منقطع نہ کر سکے، حتیٰ کہ قیامت کا زلزلہ بھی توڑ نہ سکے، چنانچہ بارگاہِ الوہیت میں جہاں ہر ذرہ تنہا، ہر مخلوق، فردِ واحد کی طرح تن تنہا جا رہی ہوگی، وہاں محبت کرنے والوں کے غول اُن لوگوں کے ہمراہ ہوں گے جن سے اُن کی محبت کی بنیاد اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر ہوگی۔ حقیقی محبت کو دنیا کی تبدیلیاں تو کیا فنا کرتیں، اِسے تو موت بھی نہیں توڑ سکی اور جہانوں کی تبدیلی بھی اس میں فرق نہیں لا سکی۔ چاہنے والے اور محبوب میدانِ حشر میں یکجا ہوں گے۔ وہ انبیاء ہوں گے جن کے ساتھ اُن کے صحابہ کرامؓ، چاہنے والے اور اتباع کرنے والے ہوں گے۔ اللہ کے مقدس اور مقرب بندے، اہل اللہ ہوں گے ان کے ساتھ اُن کے چاہنے والے ہوں گے۔ یہ محبت اتنی مضبوط ہے کہ اسے قیامت کا زلزلہ بھی متاثر نہیں کر سکتا۔ یہ وہ محبت ہے جو اللہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، جو اللہ کے لیے صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور اہل اللہ سے ہوتی ہے، جن سے ہم نورِ ایمان کا اکتساب کرتے ہیں اور ہمارے اعمال صالح ہو جاتے ہیں۔ فرمایا، یقیناً جن لوگوں کو نورِ ایمان نصیب ہوا اور ایسا مضبوط ایمان کہ اُن کا کردار سدھر گیا، اُن کی آپس میں محبتیں ہمیشہ قائم رہیں گی کہ یہ محبتیں انہیں اللہ نے دی ہیں لہٰذا دنیا میں اُن کی محبت مثالی ہوتی ہے اور آخرت میں بھی مثالی ہوگی۔

دنیا کی صحبتیں، ذاتی اغراض ہوتی ہیں:

دنیا میں محبتیں نہیں ملتیں، دنیا میں ذاتی اغراض ملتی ہیں اور ان ذاتی اغراض کی بنیاد پہ جو رشتہ ہوتا ہے اُسے محبت کہہ دیا جاتا ہے۔ جب وہ غرض نہیں ہوتی تو محبت بھی نہیں رہتی۔ ہمیں حسین صورتوں سے محبت ہو جاتی ہے لیکن اگر کسی وجہ سے وہ صورت بگڑ جائے تو محبت بھی ختم

ہو جاتی ہے۔ انسانی اوصاف سے روحانی منازل سے محروم ہو جاتا ہے تو محبت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ دنیاوی محبتوں کی بنیاد اغراض پہ ہوتی ہے سو یہ "محبت" نہیں ہوتی، ہم نے اس کا نام محبت رکھا ہوا ہے۔ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمیں اولاد سے بڑی محبت ہے، ہمیں بیٹوں سے بہت محبت ہے، انہیں بہت محبت سے پالتے ہیں۔ جب وہی بیٹے کمائی کر کے نہ لائیں۔ یا باپ کی جائیداد کو ضائع کرنے لگ جائیں تو محبت نہیں رہتی۔ اگر بیٹوں سے محبت ہوتی تو ہر حال میں قائم رہتی۔ اس کا مطلب ہے کہ اصل میں اپنی خواہش سے محبت تھی کہ یہ بڑے ہوں گے اور میرا دست و بازو بنیں گے اور جب وہ آرزو پوری نہیں ہوتی تو محبت فنا ہو جاتی ہے۔ رشتے اور محبتیں اغراض پر مبنی ہیں اور جب تک غرض پوری ہوتی رہے تو محبت رہتی ہے، جب وہ غرض پوری نہیں ہوتی تو محبت بھی نہیں رہتی۔ سو یہ محبت نہیں ہے، ہم نے اس کا نام محبت رکھ لیا ہے۔ ایسے ہی وہ تعلق جو روایتی پیروں سے بنتا ہے، جو خود بھی بے دین ہوتے ہیں اور پیروکاروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اسے بھی محبت نہیں کہہ سکتے وہ بھی اغراض کی محبت ہوتی ہے کہ پیر کے پاس جائیں گے تو یہ ملے گا، وہ ملے گا، اور جب نہیں ملتا تو مریدوں کو اپنے پیروں کو گالیاں دیتے بھی دیکھا گیا ہے۔

ایمان، نبی کریم ﷺ پر اعتماد کا نام ہے:

قرآن کریم کا بہت ہی خوبصورت انداز بیان ہے کہ جہاں ایمان کی بات ہوتی ہے ساتھ ہی عمل صالح کی بات آجاتی ہے فرمایا: اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔۔۔ ایمان کی شرط یہ ہے کہ مومن کے اعمال، صالح ہو جائیں۔ ایمان، یقین کی ایک انتہائی کیفیت ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کی دعوت پہ، اللہ کی عظمت پہ، حضور ﷺ کی رسالت پہ، قرآن کی حقانیت اور آپ ﷺ کی شان پہ پختہ یقین کر لینا کہ واقعی یہ سب بالکل حق ہے، سچ ہے۔ اگر ہم اسے سچ مانتے ہیں تو پھر ہمارا کردار اس کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔ جو شخص ایماندار ہونے کا، مومن ہونے کا دعویٰ کرے اور اس کا کردار غیر صالح ہو تو اس کے دعویٰ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ یہ کیسا ایمان ہے جو اطاعتِ پیغمبر ﷺ پہ مجبور نہیں کرتا؟

اس کا مطلب ہے کہ یقین میں کسی حد تک کمی ہے جس طرح کوئی سنی سنائی بات ہوتی ہے۔ اگر کوئی ہمیں ایک گلاس پانی دے اور حتمی اور یقینی طور پر خبر دے کہ یہ پانی زہریلا ہے اور ہم اس کی بات پہ یقین بھی کر لیں تو کیا پھر ہم اس پانی کو چکھنا بھی پسند کریں گے؟ ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ پینا تو دور کی بات ہے کوئی اسے چکھنا بھی گوارا نہیں کرے گا اور بتانے والے کی بات پر اعتماد کرتے ہوئے زہریلے پانی کو ہرگز استعمال نہیں کرے گا۔ جب ہم آپ ﷺ کو اللہ کا سچا نبی، امام الانبیاء اور معظم انسان رسول اللہ مانتے ہیں تو جب رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا کہ یہ کام نہ کرو، اس میں اللہ کریم کی ناراضگی ہے، تباہی ہے اور انجام کار جہنم ہے، پھر اگر ہم دعویٰ ایمان کے ساتھ وہ گناہ بے دھڑک کرتے ہیں۔ تو ہمیں سوچنا پڑے گا کہ کیا ہمارا ایمان ہے؟ زہر کھانے سے تو صرف دنیا کی زندگی ختم ہو گی لیکن گناہ سے تو آخرت بھی برباد ہو جائے گی۔

اللہ نے قرآن کو آپ ﷺ کی زبان مبارک پر آسان کر دیا ہے:

قرآن کریم انسانی شعور، ذہن و عقل اور انسانی خرد سے بہت ماورا ہے کہ یہ خالق کا کلام ہے اور خالق کا کلام، خالق کی صفت ہے اور انسانی ذہن، مخلوق ہے۔ جس طرح مخلوق، خالق کا احاطہ نہیں کر سکتی اسی طرح صفات الٰہی کا احاطہ بھی نہیں کر سکتی۔ قرآن، انسانی سمجھ سے بہت بلند ہے تو پھر اس سے استفادہ کیسے ممکن ہوا، فرمایا: فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا۝ بے شک ہم نے آپ ﷺ کی زبان پاک پر اسے آسان کر دیا ہے مطلب ہر عام آدمی بھی سمجھ سکے گا لیکن صرف تب سمجھے گا جب قرآن کو محمد رسول اللہ ﷺ سے سیکھے گا۔ کوئی بڑے سے بڑا محقق، بڑے سے بڑا عالم جب از خود اسے سمجھنے کی کوشش کرے گا اور تحقیق کرنے بیٹھے گا تو گمراہ ہو جائے گا، حالانکہ یہ کتاب ہدایت ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اہل مغرب میں سے جن کفار نے دینی علوم پر تحقیق کا بیڑہ اٹھایا جنہیں مستشرقین کہا جاتا ہے، انہوں نے بہت محنت کی، عربی سیکھی، مختلف زبانیں سیکھیں اور بہت سی کتابیں مختلف زبانوں میں پڑھیں اور قرآن کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اُن کی

مادری زبان انگریزی تھی لیکن انہوں نے عربی سیکھی۔ عربی بے حد وسیع زبان ہے، اس کے تمام شعبوں، صرف ونحو، منطق وغیرہ پر عبور حاصل کیا لیکن عجیب بات یہ ہے انہیں قرآن سے ہدایت نہ ملی صرف اعتراض ملے۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنے طور پر قرآن کو سمجھنا چاہا حالانکہ اللہ کریم نے اسے اتنا سہل کر دیا ہے کہ ایک اَن پڑھ گڈریا، چرواہا بھی سمجھ سکتا ہے لیکن اسے سمجھ تب آئے گی جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھے گا کیونکہ اللہ نے آپ ﷺ کی زبان پہ قرآن کو سہل کر دیا ہے۔ اس کا مطلب ہے قرآن کی وہ تفسیر معتبر ہوگی جو ارشاداتِ نبوی ﷺ کے مطابق ہوگی ورنہ اپنی عقل سے، صرف ونحو سے، منطق سے اور علوم کے زور سے اگر کوئی بات کو کہیں موڑ کر لے جانا چاہے گا تو وہ تاویل ہرگز معتبر نہیں ہوگی۔ قرآن کی وہی تفسیر معتبر ہوگی جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی، آپ ﷺ کے شاگردوں یعنی صحابہ کرامؓ نے سنی اور انہوں نے آگے پہنچائی۔ اس کے علاوہ کوئی بڑے سے بڑا عالم اپنی طرف سے کچھ کہے تو ہرگز معتبر نہیں۔ قرآن کے الفاظ بھی وہی معتبر ہیں جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمائے اور صحابہ کرامؓ نے سنے اور آگے پہنچائے۔

متقین اللہ کے چاہنے والے:

فرمایا: لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ ۔۔۔آپ (ﷺ) میرے بندوں کو جو میری ناراضگی سے ڈرتے ہیں، انہیں خوشخبری سنائیں۔ یہاں پھر متقین کی بات آگئی تو اگر یہاں متقین کا ترجمہ چاہنے والے کر دیا جائے تو موزوں رہے گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ (ﷺ) میرے چاہنے والوں کو بشارت دیجیے تو کتنا صحیح ہے کہ جہاں محبت اور چاہت ہوتی ہے تو وہیں انسان کسی کی ناراضگی سے ڈرتا ہے۔ ایسے چاہنے والوں کے لیے خوشخبری ہے کہ قیامت کا زلزلہ کائنات کے لیے ہوگا لیکن انہیں گھبرانے کی ہرگز ضرورت نہیں کہ یہ تو اللہ کے مہمان ہوں گے اور خوشی خوشی حاضر ہوں گے۔ موت کا ڈر تو نافرمانوں کو ہوگا۔ میرے چاہنے والو! تم تو مہمانوں کی طرح آؤ گے۔ قیامت تو ایک دروازہ ہے، وہاں سے گزرو گے تو میری بارگاہ میں پہنچ جاؤ گے کہ تم تو میری اور میرے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرنے والے ہو۔

مہلتِ عمل:

دنیا کی حیاتِ مستعار میں جو لوگ عظمت الٰہی کو قبول نہیں کرتے، اطاعت پیغمبر ﷺ کے خلاف جھگڑا کرتے ہیں، اعتراض کرتے ہیں، آپ ﷺ انہیں خبر دے دیں کہ وقت آرہا ہے، جب تمہیں پیاسا جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔ ابھی فرصت ہے اللہ کی رحمت کا دروازہ کھلا ہے، توبہ کی فرصت ہے، اب بھی اللہ کی پناہ میں آجاؤ۔ اگر اسی کفر پہ موت آگئی تو بہت برا انجام ہوگا۔ جس دنیا پہ اتنے نازاں ہو، جس حکومت واقتدار پہ تمہیں ناز ہے، جس امارت پہ ناز ہے جس انا پہ اتنے مغرور ہو، یہ سب کچھ تو فنا کے گھاٹ اترنے والا ہے۔ بعض لوگ کنگال بھی ہوں تو بھی اُن میں عجیب سی انا ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے سامنے بھی جھکنا نہیں چاہتے۔

فرمایا: وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا○ سب چیزیں فنا ہو جائیں گی اور اس کی شہادت یہ ہے کہ کتنے ہی شہنشاہوں کو، بڑی عظیم سلطنتوں کو کتنی اقوام اور گروہوں کو ہم نے تباہ کر دیا۔ سب فنا کی وادی میں اتر گئے۔ سلطنتیں بھی تباہ ہو گئیں حکمران بھی فنا ہو گئے۔ کیا اب اُن میں کسی بادشاہ کو آپ محسوس کرتے ہیں، کسی کی کوئی خبر پاتے ہیں؟ کسی بادشاہ کو دیکھتے ہیں؟ کہیں کسی راجہ، مہاراجہ، کسی شہنشاہ کی جھلک نظر آتی ہے یا کسی کی سرگوشی بھی سنائی دیتی ہے؟ پھر کیوں نہیں سبق حاصل کرتے کہ جس دولت، جس طاقت، حکومت واقتدار پہ اکڑ کر اللہ کی نافرمانی کرتے ہو یہ سب تو فنا ہو جائے گا اور تمہارے پاس کچھ بھی نہیں بچے گا۔ اللہ کی محبت، اللہ کے رسول ﷺ کی محبت، اللہ کے دین کی محبت ہی قائم رہنے والی چیز ہے، جسے آج تم ٹھکرا رہے ہو اور فانی چیزوں سے چمٹ رہے ہو۔ اس پر تو تاریخ عالم گواہ ہے کہ تم سے کہیں زیادہ طاقتور اور امیر لوگ جہاں سے گزر گئے، جن کی آج کوئی سرگوشی بھی سنائی نہیں دیتی۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○

❁❁❁

بقیہ صفحہ نمبر 49 سے آگے

ان سب باتوں کے باوجود، برطانوی مسلمانوں میں جذبے کی شدت بھی ہے، اور نئی نسل میں بھی ایک نوجوان تنظیم اُبھر رہی ہے جو اسلام کی خدمت خلوصِ دل سے کرنے کے تمنائی ہیں اور ان سے بہت سی اُمیدیں، اس اُمید پہ وابستہ کی جاسکتی ہیں کہ اللہ انہیں درست قیادت عطا فرمائے۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو!

اگرچہ میں نے بہت سی ناگوار باتیں لکھی ہیں مگر میں اس معاشرے کے اصلی چہرے سے نقاب اٹھانے کی جرأت نہیں کرسکتا جو اس قدر بھیانک ہے کہ صرف دیکھا جاسکتا ہے۔ بلکہ دیکھنا بھی محال ہے۔ بتانا ممکن نہیں، نہ ہی کسی کو یقین آئے گا۔

آج یہاں مین ہیٹن جانا ہوا۔ جہاں کینیڈا کے سفارت خانے سے ویزہ حاصل کرنا تھا اور پھر کچھ وقت آرام کیا۔ اب امریکہ کا کچھ حال تو ضرور لکھوں گا۔ انشاء اللہ، مگر شاید مزید تقاریر نقل نہ کرسکوں کہ کام کے اوقات بہت زیادہ ہیں اور لکھنے کی فرصت نہ مل سکے گی۔ نیز بہت لکھ بھی دیا ہے، یہ مہینہ بھر اوسطاً سولہ سے اٹھارہ گھنٹے روزانہ کام کرنے کا سلسلہ ہے۔ جسمانی نقاہت اور بیماری اس کے سوا ہے۔ لہٰذا اب شاید اپنی مصروفیات میں سے لکھائی کو کم کردوں۔

اللہ کریم معاف فرمائیں اور دین ہی کی خدمت پہ دَم نکلے۔ آمین!

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی
کا چینل "۵" پر ہفتہ وار پروگرام

"المرشد" کے عنوان سے تصوف پر سوال وجواب کا پروگرام ہر جمعہ گیارہ بج کر دس منٹ پر ٹیلیویژن چینل "۵" سے نشر ہوتا ہے ساتھیوں سے التماس ہے کہ خود بھی پروگرام باقاعدگی سے دیکھیں اور دیگر حضرات کو بھی دعوت دیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 50 سے آگے

موجودہ حالات میں کسی کی جان، عزت و مال محفوظ نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ ہمیں بحیثیت مسلمان یہ درس دیتے ہیں کہ آپس میں بھائی چارہ محبت اور ایثار کو اپنا شعار بنائیں۔ ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے آپ کو دین اسلام اور اسوۂ رسول ﷺ پر کاربند کرے۔ جب عوام کی ہر اکائی پر اسلام نافذ ہوگا تو پھر یہ معاشرہ امن وسلامتی کا مظہر ہوگا (ان شاء اللہ) انہوں نے مزید کہا کہ حکومت وقت کی بھی ذمہ داری ہے کہ عوام کے جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنائے۔ انہوں نے ماہِ مبارک کے حوالے سے فرمایا کہ مومن کا رشتہ بعثت عالی سے ہے اور ہمیں بعثت کی بات کرنی چاہیے کیونکہ بعثت سے ہی تمام احکامات کا نزول ہوا اور اسی سے دینِ اسلام مکمل ہوا اور یہ مومن کی زندگی کا مکمل ضابطۂ حیات بھی ہے۔

بعد نمازِ جمعہ محفل ذکر قلبی منعقد کی گئی۔ محترم ناظم اعلیٰ صاحب نے ذکر قلبی کا طریقہ بتایا اور ذکر کرایا۔ آخر میں ملکی سلامتی اور امن کے لیے خصوصی دعا کی گئی۔ محترم ناظم اعلیٰ صاحب روانگی سے قبل شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ سے ملاقات کے لیے مدرسہ باب العلوم تشریف لے گئے آپ نے فرمایا، "بزرگوں کی خدمت میں نصیحت حاصل کرنے حاضر ہوا کرتا ہوں آج آپ کے پاس دعائیں حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں"۔ کیا خبر یہ آخری ملاقات ہوگی اور نصیحت حاصل کرنے کا موقع نہ ملے گا۔

دعائے مغفرت

کراچی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی جاوید قمر کی والدہ محترمہ
گوجرانوالہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ڈاکٹر نشان صاحب
سیالکوٹ سمبڑیال سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ماسٹر اسماعیل صاحب
نوشہرہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی مولانا احمد عبدالرحمٰن صدیقی صاحب
فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی عالم علی صاحب
قلعہ عبداللہ کوئٹہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی، ضلعی امیر عبدالرحمن شاہ کے والد محترم وفات پاگئے ہیں۔ دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

سالانہ اجتماع 12 جون 2014ء

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَالصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سوال: آپ ﷺ نے فرمایا، ذکر کرنے والے کی مثال زندہ کی سی ہے اور نہ کرنے والے کی مثال مردہ کی سی ہے۔ اس کی تشریح کر دیں؟

جواب: جو آپ ﷺ نے فرمایا وہ کس تشریح کا محتاج ہے۔ آپ ﷺ نے جو فرمایا، وہ حق ہے۔ انسانی زندگی کا جو تصور قرآنِ کریم میں ہے وہ یہ ہے کہ زندہ وہ ہے جس کی روح زندہ ہے۔ روح کی زندگی کا مدار اعمال صالحہ اور درست کردار پر ہے۔ ہر برائی، ہر گناہ، روح کے لیے ایک بیماری کا درجہ رکھتا ہے اور بعض بیماریاں اتنی شدید ہوتی ہیں کہ موت کا سبب بن جاتی ہیں یعنی بعض گناہ بھی ایسے ہوتے ہیں کہ جن سے روح مرجاتی ہے، دلوں پر مہر لگ جاتی ہے، توبہ کی توفیق بھی نہیں ملتی۔ انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں، ایک یہ بدن کی زندگی، بدن کی حیات ہے اس کے ساتھ اگر روح زندہ نہ ہو تو یہ حیات عام چوپایوں، جانوروں جیسی ہے۔ جو انسان ایسی زندگی گذارتا ہے قرآن اِسے مردہ کہتا ہے۔ اس کا زندہ ہونا نہ ہونا برابر ہے کیونکہ یہ انسان ہو کر حیوانی زندگی جی رہا ہے۔ اگر نورِ ایمان ہو، اعمال میں کمی بھی ہو تو روح زندہ رہتی ہے، بیمار سہی، کمزور سہی لیکن روح زندہ رہتی ہے۔ یہ نور ایمان کی برکت ہے۔

گناہ اور جرائم ایک سطح پر پہنچ کر شکوک وشبہات پیدا کر دیتے ہیں، بندہ متزلزل ہو جاتا ہے۔ شک ایمان کی ضد ہے۔ جب ایمان درست نہ رہے تو روح مرگئی۔ اسی لیے قرآن نے فرمایا ہے اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ (الاعراف:179) چوپایوں کی زندگی جیتے ہیں، جانوروں کی طرح بَلْ هُمْ اَضَلُّ (الاعراف:179) بلکہ یہ ان سے گئے گزرے ہیں کہ قدرت نے تو چوپایوں کو پیدا ہی جانور کیا ہے وہ جانوروں کی زندگی جیتے ہیں۔ اسے تو انسانی اوصاف دے کر اور انسانی خصوصیات دے کر پیدا فرمایا اور یہ وہاں سے گر کر جانوروں کی زندگی جی رہا ہے۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (التین:5) جب اللہ سے دور ہوتا ہے تو جانوروں، چوپایوں سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔ اس ارشادِ عالی سے مراد یہی ہے کہ ذکر چونکہ روح کی غذا بھی ہے، دوا بھی ہے، روح کے لیے غذا کا کام بھی کرتا ہے اور دوا کا کام بھی کرتا ہے۔ گناہوں سے رہائی بھی ملتی ہے، نیکی کرنے کی توفیق بھی ملتی ہے تو اسے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ذاکر، زندہ ہے اور جو ذکر نہیں کرتا اس کی مثال ذکر کرنے والے کے مقابلے میں مردہ کی سی ہے چونکہ مادّی زندگی کی اس کے علاوہ کوئی قیمت نہیں کہ یہ روحانی زندگی کے کام آئے۔

سوال: آپ ﷺ نے فرمایا ہر صوفی عالم ہوتا ہے اور ہر عالم صوفی نہیں ہوتا۔ وضاحت فرمادیں؟

جواب: ہر صوفی کی مجبوری ہوتی ہے کہ وہ علوم ظاہری بھی جانے عمل کے لیے جاننا ضروری ہے۔ تو ہر صوفی یا عالم ہوتا ہے یا ایسے عالم سے وابستہ ہوتا ہے کہ جو اس کی راہنمائی کرتا رہتا ہے یہ اس کی مجبوری ہے لیکن عالم صوفی نہیں ہوتا کیونکہ تصوف ایک الگ موضوع ہے، حاصل کرنا پڑتا ہے، سینہ بہ سینہ چلتا ہے، توجہ حاصل کرنا پڑتی ہے، شیخ تلاش کرنا پڑتا ہے۔ مجاہدہ کرنا پڑتا ہے تو آدمی شریعتِ ظاہرہ پڑھ کر عالم تو بن جاتا ہے لیکن عالم بننے سے یہ خلا پورا نہیں ہوتا کہ وہ صوفی بھی ہو جائے۔

سوال: حیاتی اور مماتی کیا ہے، اس کی ابتداء کس نے کی۔ کچھ لوگ آپ ﷺ کی حیات کے قائل ہیں اور کچھ نہیں؟

جواب: یہ جتنے فرقے اسلام اور مسلمانوں میں بنے ہیں ان میں

سے کسی فرقے کی ابتداء کسی دینی ضرورت پر نہیں ہے۔ان میں سب کی ابتداء ذاتی شہرت اور دنیا کا مال حاصل کرنے کے لیے ہے۔کسی نے ایک نیا شوشہ چھوڑ دیا ایک نئی بات بن گئی اور پھر وہ اس کا مقتدا بن گیا، لوگ اس کے پیچھے چلنے لگے۔اصل مسئلہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کا وصال عام آدمی کی موت کی طرح نہیں ہوا، انبیاءؑ اور عام آدمی کی موت ایک جیسی نہیں ہوتی۔جو نبی ﷺ کا اتباع کرتا ہے یعنی وہ عقیدہ اختیار کرتا ہے جو نبی ﷺ نے فرمایا اور اس مقصد کے لیے جان بھی دے دیتا ہے لیکن اس سے پیچھے نہیں ہٹتا جو نبی ﷺ نے متعین فرمایا ہے تو قرآن اسے شہید کہتا ہے اور شہید کے لیے فرمایا ہے کہ شہید کو مردہ نہ کہو۔ جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتا ہے اسے مردہ مت کہو۔لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (البقرہ:154) ظاہری طور پر نظر آتا ہے کہ جو اللہ کی راہ میں قتل ہوا اس کا جنازہ بھی ہوا، اسے دفن بھی کر دیا گیا لیکن اُسے مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہے۔اس کی عقلی تاویل کیا ہے؟ کہ ایک بندہ قتل ہوا اس کے جسم کے پرخچے اُڑ گئے اس کا جنازہ ہوا، زیرِ زمین دفن ہو گیا اُسے کیسے زندہ سمجھیں؟ فرمایا: وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرہ:154) تم نہیں سمجھ سکتے، تمہیں یہ ایمان رکھنا چاہیے کہ وہ زندہ ہے اور یہ اللہ کریم کا ارشاد ہے۔جیسے روح کے بارے فرمایا کہ روح امرِ ربی سے ہے لیکن وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (بنی اسرائیل:85) تم اپنے ذاتی علوم سے نہیں جان سکتے کہ یہ عالم امر سے کیسے تخلیق فرمائی گئی یہ انسانی علوم سے بالاتر بات ہے۔تمہیں بتا دی گئی تم اس پر ایمان لاؤ۔

انبیاءؑ کا وصال یہ ہوتا ہے کہ بدن میں رہتے ہوئے روح کا جو تعلق امورِ دنیا سے ہوتا ہے کھانا، پینا، بھوک، پیاس، گرمی، سردی، صحت، بخار، بیماری یہ جو ساری دنیا کی علامات ہیں وہ ساری منقطع کر دی جاتی ہیں۔عام آدمی کی طرح روح قبض کر کے بدن مبارک سے الگ نہیں کیا جاتا۔شہید زندہ ہے تو شہید تو نبیؑ کے اتباع سے زندہ ہے، نبیؑ کیسے زندہ نہیں ہے؟ اب یہاں اشتباہ اس لیے پیدا ہوا کہ کچھ لوگوں نے اس میں زیادتی کی۔غلو کیا یعنی زندگی کو دنیا کی زندگی پر تعبیر کیا۔دنیوی زندگی انبیاءؑ کی مکمل ہو گئی وہ اپنا فرضِ منصبی پورا کر کے اپنی ذمہ داری ادا کر کے دنیا سے پردہ فرما جاتے ہیں لیکن سارے نبیؑ زندہ ہوتے ہیں۔وہ حیات، دنیوی حیات سے مضبوط ہوتی ہے۔چونکہ دنیا کے سارے افکار اس سے کٹ جاتے ہیں۔جہاں تک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ والا صفات کا تعلق ہے تو اس کے لیے علمائے حق نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کا وصال ایسے ہے جیسے کسی روشنی پر، کسی جلتے ہوئے بلب پر کوئی پیالہ یا کوئی چیز رکھ دی جائے تو اس کی روشنی اس کے اندر بدستور موجود رہتی ہے۔انبیاءؑ کی موت یہی ہے کہ دنیا سے پردہ فرما دیا گیا اور جو تعلقات وجودِ عالی کے ساتھ مادی دنیا کے ساتھ تھے وہ ختم کر دیے گئے اور روحِ اقدس بدن اقدس میں اُسی طرح موجود ہے۔روضۂ اطہر پر کھڑے ہو کر کوئی سلام پیش کرے تو حضور ﷺ خود سنتے اور جواب دیتے ہیں اور آج بھی روضۂ اطہر کے وہی آداب ہیں جو حضور ﷺ کی دنیوی حیات میں آپ ﷺ کی مجلس میں تھے۔اب جب ایک گروہ نے حیات کی طرف بڑی عجیب عجیب باتیں کہیں جو میں نہیں دہرانا چاہتا تو دوسرے نے انکار کی طرف شور کر کے لوگ ساتھ ملا لیے۔اُس کا کام اُدھر ہو گیا وہ لیڈر بن گیا اور انہوں نے صرف حضور ﷺ کی حیات کا انکار نہیں کیا بلکہ سارے برزخ کا ہی انکار کر دیا کہ مر گیا ختم ہو گیا بلکہ میں نے ایسے علماء کی تقاریر بھی سنی ہیں، ایک جملہ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ایک معروف عالم کہہ رہے تھے کہ جی موت آئی دنیا سے تعلق ختم ہو گیا خواہ کافر تھا، مومن تھا، وہ نیک تھا، بد تھا، وہ عام آدمی تھا یا نبی تھا دنیا سے رشتہ ختم۔نہ کوئی ان کو سن سکتا ہے نہ سنا سکتا ہے اور اس ظالم خطیب نے کسی کافر کو اور نبی علیہ السلام کو ایک درجے میں شمار کیا۔واقعی انسانی گمراہی کی کوئی انتہا نہیں ہے کہ غلو کریں تو بھی گمراہی ہے اور انکار کریں تو بھی گمراہی ہے۔

جس طرح وہ شہید کو زندہ مانتے ہیں کہ وہ برزخ میں جانے کے بعد بھی زندہ ہیں۔آپ نے دیکھا کہ صحابہ کرامؓ کے بعض وجود مبارک بعض دفعہ صدیوں بعد نکالے گئے تو تر و تازہ تھے۔تر و تازہ کیوں تھے؟ اس لیے کہ روح جسم میں اس قدر موجود ہے کہ اس نے بدن کو گلنے سڑنے سے محفوظ رکھا ہے۔آپ نے دیکھا ہوگا کہ شوگر کے مریض کا کبھی

ہاتھ کٹ جاتا ہے کبھی پاؤں کٹ جاتا ہے کہ دورانِ خون وہاں نہیں جارہا تو وہ خراب ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ ٹوٹ پھوٹ شروع ہوجاتی ہے جیسے مردے کے جسم میں ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے اور وہ خراب ہوجاتا ہے۔آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ جب زندہ شخص کے کسی عضو میں ایسی خرابی آجائے تو ڈاکٹر کاٹ دیتے ہیں کہ سارا بدن خراب نہ ہو۔ وہ ہاتھ کاٹ دیتے ہیں، پاؤں کاٹ دیتے ہیں۔تو وہ کیا ہوتا ہے؟ یہی کہ روح کا اثر اس عضو میں نہیں رہتا اور جہاں تک روح کا تعلق رہتا ہے، بدن سلامت رہتا ہے۔تو اسی طرح جو لوگ صدیوں سے قبروں میں ہیں اور پھر بھی محفوظ ہیں تو اس لیے ہیں کہ ان کی ارواح کا تعلق ان کے بدن سے بہت مضبوط ہوتا ہے۔چین کا ایک صحرا ہے میں نے کل عرض کیا تھا کہ جس راستے سے صحابہ کرامؓ گئے، اٹھارہ ہزار فٹ اونچے درّے سے گزر کر آگے ایک صحرا آتا ہے۔اُس صحرا سے اٹھارہ یا سولہ انسانی وجود نکلے جو بالکل صحیح سالم تھے۔اب وہ یہ ماننے سے تو رہے کہ یہ مسلمان ہیں اور ان کے وجودِ گلے سڑے نہیں تو اس کی تعبیر چینیوں نے یہ دی تھی کہ چونکہ یہ صحرا ہے اور (Desert) میں چونکہ نمی جسم سے سلب ہوجاتی ہے اور وہ جسم خراب نہیں ہوتے اور نمی ریت میں نہیں رہتی۔ وہ اس طرح کی باتیں کرتے رہے۔

صحابہ کرامؓ اور اہل اللہ کے وجود کیوں خراب نہیں ہوتے؟ اس لیے کہ بعد از موت بھی روح بدن میں اس طرح سرایت کی ہوئی ہوتی ہے کہ اسے گلنے سڑنے سے محفوظ رکھتی ہے تو اگر نبیؐ کے غلاموں اور تبعین اور آپ ﷺ کی اطاعت کرنے والوں میں روح کا بدن سے اتنا محفوظ رابطہ ہے تو خود نبی علیہ السلام کی شانِ حیات کیا ہوگی! اس بات کا انکار کرنا کہ حضور ﷺ کا وصال ہی نہیں ہوا یہ ویسے ہی زیادتی ہے۔ دنیا کے ساتھ جو وجودِ عالی کا رشتہ تھا وہ ختم کر دیا گیا لیکن وہ موت اس طرح کی نہیں ہوئی جس طرح عام آدمی کی ہے۔ شہداء اگر زندہ ہیں تو نبیؐ اس سے بدرجہ اتم اس سے کروڑوں درجے زیادہ کیفیت میں زندہ ہے۔ یہ کیوں اور کیسے؟ فرمایا: وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرہ:154) تم ان باتوں کو، کیوں اور کیسے کو تم نہیں سمجھ سکتے۔جنہوں نے انکار کیا وہ اس کیوں اور کیسے میں پھنس گئے حالانکہ قرآن نے آسان سا جواب دیا تھا کہ تم عقلی انداز سے سمجھ نہیں سکتے تمہاری عقل سے یہ بات بالاتر ہے۔

سوال: تجدید بیعت کی ضرورت کب پیش آتی ہے؟ کیا کوئی بیعت شدہ ساتھی تجدیدِ بیعت کر سکتا ہے؟

جواب: میرے بھائی تجدیدِ بیعت ایک لفظ ہی ہے۔عموماً ایسا کم ہوتا ہے۔عملاً ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کسی نے بیعت توڑ دی ہو اور پھر اُسے توفیق ہو کہ وہ پھر بیعت کرے۔ایسا بہت شاذ ہے۔کوئی ایک قصہ کوئی ایک واقعہ آپ کو کہیں صدیوں میں ملے۔ اگر بیعت کسی صحیح شیخ سے ہو اور خلوص سے ہو اور تصوف کے حصول کے لیے ہو اور وہ توڑ دی جائے تو قرآن کریم فرماتا ہے: فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ (الفتح:10) جس نے وہ بیعت توڑی اس نے اپنے آپ کو تباہ کر دیا، توڑ پھوڑ لیا، اپنے ٹکڑے کر دیئے تو تجدید کی توفیق عموماً بہت کم ہوتی ہے۔ جو توڑتا ہے یہ اتنی گستاخی ہوجاتی ہے یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اس میں عموماً توبہ کی توفیق کم ہوتی ہے۔کسی کو ہوجائے تو بہت اچھی بات ہے لیکن بیعت کسی غلطی کرنے سے گناہ کرنے سے نہیں ٹوٹتی ،بیعت ٹوٹتی ہے جب عقیدت اور ارادت چھوڑ دی جائے۔خواہ بندہ پارسا بھی ہو نیکی بھی کرتا رہے جب اس کی ارادت اور عقیدت میں فرق آئے گا تو وہ ضرب بیعت پر پہنچے گی۔کرے گا تو بیعت کی برکت سے تو شائد توبہ کی توفیق مل جائے، اصلاح کی توفیق مل جائے۔

سوال: سورۃ النجم میں ہے کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے؟

جواب: میرے بھائی! وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم:39) یہ آیت دنیاوی مال ومنال کے حق میں نہیں ہے یہ آخرت سے متعلق ہے اور انسان کو وہی ملے گا جو اُس نے دنیا میں کمایا۔ دنیوی رزق جو ہے وہ بھی اس نے تقسیم کر دیا ہے جیسے اس نے شکلیں تقسیم

کردی ہیں کوئی نہیں بدل سکتا، قدکاٹھ تقسیم کردیے ہیں اسی طرح دماغی قوتیں تقسیم کردی ہیں۔ کسی کو کچھ ملا ہے، کسی کو کچھ ملا ہے تو ایک ہی والدین کے بچے ہوتے ہیں اُن میں سے کوئی بہت نیک اور صالح ہوتا ہے اور کوئی چور اور ڈاکو بن جاتا ہے تو یہ انسان کے اپنے فیصلے ہوتے ہیں۔ یعنی اللہ کریم کی جو تقدیر ہے وہ دو طرح سے ہے۔ ایک تقدیرِ مبرم ہے اور ایک تقدیرِ معلق ہے۔ تقدیرِ مبرم یہ ہوتی ہے کہ وہ فیصلہ ہر حال میں ہوتا ہے اس میں انسانی کردار کا کوئی دخل نہیں ہوتا جیسے پیدائش کا وقت، موت کا وقت، عمر کتنی ہے اصلی استعداد کتنی ہے اور خصوصیات کتنی ہیں۔ بدن سلامت ہے یا معذور ہے، یہ تقدیرِ مبرم کے فیصلے ہیں یہ نہیں بدلتے۔ ایک تقدیرِ معلق ہوتی ہے اور یہ انسانی کردار کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے اس میں گنجائش ہوتی ہے کہ اگر اللہ کی اطاعت کرے گا تو یہ پائے گا، نافرمانی کرے گا تو اس کا نتیجہ یہ پائے گا۔ جیسے انسان جا رہا ہے اور دو راستے ہیں۔ اس راستے پہ جائے گا تو ڈاکو ہیں لوٹ لیں گے اس دوسرے راستے پر جائے گا تو آبادیاں ہیں سلامت گزر جائے گا۔ اب وہ فیصلہ انسان کا اپنا ہوتا ہے۔ وہی ہوتا ہے اِلَّا مَا سَعٰی جو کچھ اس نے کمایا، جو فیصلے اس نے خود کیے، ان کے نتائج ہیں۔ اب بندہ توبہ بھی کرسکتا ہے اللہ قبول فرماتا ہے اور بندہ لاپروائی بھی کرسکتا ہے اور برائی میں عمر بسر کرسکتا ہے۔ ساری عمر حصولِ دنیا پر لگا دیتا ہے، حلال حرام کی پروا نہیں تو اُسے کیا ملے گا، جو نیکی کرتے رہے اس کا اجر اُس کو مل جائے گا؟ جو اس نے کیا اس کا اجر وہ پائے گا۔ جہاں تک رزق کا تعلق ہے یہ الگ شعبہ ہے۔ کردار الگ شعبہ ہے، رزق الگ شعبہ ہے۔ رزق اللہ کی طرف سے مقدر ہے اور رزق اس طرح سے ہے کہ ہر وجود جو ہے یہ دس کھرب سیل سے مرتب ہے۔ انسان کے ایک وجود میں دس کھرب سیل ہوتے ہیں یہ آج کی سائنس یہاں پہنچی ہے۔ اگر کسی کا قد بڑا ہے تو اس کے سیل بڑے ہوتے ہیں اگر کسی کا قد چھوٹا ہے تو اس کے سیل چھوٹے ہیں۔ تعداد ہر انسانی وجود میں دس کھرب ہے۔ یہ دس کھرب سیل خاک کے ذرات سے آتے ہیں۔ انہی ذرات کو اللہ تعالیٰ غذا کا، دوا کا روپ دیتا ہے۔ پھل بنتے ہیں، غلہ بنتا ہے، چاول بنتے ہیں، چنے بنتے ہیں۔ انسانی غذا کی مختلف صورتیں انہی خاکی ذرات سے بنتی ہیں تو کوئی دانہ جو ایک شخص کا مقدر ہے وہ کسی دوسرے کے حصے میں نہیں جاتا۔ جس وجود کے سیل جس دانے میں ہیں وہ دانہ اس تک پہنچتا ہے یہ ایک مضبوط اور اتنا پکا نظام ہے کہ اس میں کوئی خلل نہیں آتا۔ ہر سیل اپنی جگہ پر پہنچتا ہے اگر اس میں خلل آجائے تو کچھ لوگ اتنا کھا جاتے کہ پچھلوں کے لیے کچھ نہ رہتا کچھ لوگ اتنا چھوڑ کر مر گئے ہوتے کہ دنیا میں گلتا سڑتا رہتا۔ میرا رزق آپ لے لیتے تو میں شاید بھوکا رہ جاتا ایسا نہیں ہوتا۔ ہر سیل وہاں پہنچتا ہے جہاں اس کی مقررہ جگہ ہے کبھی غذا کے روپ میں کبھی دوا کے روپ میں، کسی نہ کسی طرح پہنچتا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ کھربوں پتی لوگ ہیں کھا پی نہیں سکتے، روپے جوڑ کر بیٹھے ہیں۔ حساب کتاب دیکھو تو کھربوں روپے ہیں، کھانے کے لیے چنوں کا پانی پیو اور ایک انڈا کھا سکتے ہو۔ کھانا نہیں کھا سکتے، سالن نہیں کھا سکتے فلاں فروٹ نہیں کھا سکتے کہ یہ میٹھا ہے اس میں شوگر ہے تو وہی کچھ بندہ لے سکتا ہے جو اس کے مقدر میں ہے۔ دولتِ دنیا جمع کرسکتا ہے، اللہ کی نافرمانی کرکے، چوری ڈاکہ کرکے جمع کرسکتا ہے، اُسے کھا نہیں سکتا۔ کھائے گا وہی جو اس کا مقدر ہے۔ چھوڑ کر مر جائے جس کے حصے کی ہے وہی کھائے گا۔ یہ تماشا ہمارے سامنے ہوتا ہے۔ یہ باریکیاں نظامِ قدرت کی ہیں انہیں سمجھنا آسان بھی نہیں ہے۔ یہ جو آپ کہہ رہے ہیں کہ انسان مقدر کا مکلف ہے جو مقدر میں لکھ دیا گیا ہے وہی اس کو ملے گا، وہی تو میں عرض کر رہا ہوں کہ رزق کے بارے ہے چونکہ رزق جو وجود کا حصہ بنتا ہے اس کا نظام ہے۔ دولت جمع کرنا اور بات ہے اور اُسے وجود کا حصہ بنانا یا کھانا اور بات ہے۔ تو یہ جو نصیب میں ہے یا جس سیل نے جس وجود میں جانا ہے وہ اُسی میں جائے گا۔ یہی زمین ہے، کتنا غلہ دے رہی ہے۔ ہر بندہ اپنے حصے کا دانہ کھاتا ہے، اپنے حصے کا قطرہ پانی کا پیتا ہے، دوسرے کا نہیں لے سکتا۔ آج دولت ناجائز طریقوں سے چھین کر جمع کرسکتا ہے، محل بنا سکتا ہے، ملازم رکھ سکتا ہے، کپڑے پہن سکتا ہے لیکن وجود کا سیل وہی بنے گا جو اُس کا مقدر ہے۔ اگر نصیب میں سوکھی روٹی ہے تو جھونپڑی میں ہی نہیں محلوں میں رہ کر بھی

سوکھی ہی کھانا پڑتی ہے وہ انسان کے بس میں نہیں ہے۔ انسان کے بس میں ہے کہ وہ کرتا کیا ہے، اس کی محبت کہاں ہے؟ حق کے ساتھ ہے، انصاف کے ساتھ ہے، اللہ کے قانون کے مطابق کماتا ہے، اللہ کے قانون کے مطابق حلال اور پاک کھاتا ہے۔ یہ اس کی خوش نصیبی ہے۔ دنیا میں بھی اُسے آرام ہے اور آخرت کے اجر کا سبب بھی بن گیا۔ ناجائز طریقے سے کماتا ہے، جمع کرتا ہے، حکمران بن جاتا ہے پورے ملک کو لوٹتا ہے، لوٹ لے لیکن کھائے گا وہی جو اُس کے وجود کا حصہ ہے۔ وہ ساری لوٹ کر کھا کے نہیں مرے گا چھوڑ کر مرجائے گا۔ رکھ کر بیٹھا رہے گا لیکن اگر مقدر میں سوکھی روٹی ہے تو محلوں میں بیٹھ کر بھی سوکھی ہی کھائے گا۔ تو یہ اللہ کریم کا نظام ہے، ہم چیزوں کو خلط ملط کر دیتے ہیں۔ ہماری یہ کوشش ہوتی ہے کہ کہیں ہمارے یہ جو گناہ اور برائیاں ہیں یہ کہیں مقدر میں آجائیں کہ ہماری تقدیر میں یہی تھا ہمارا قصور نہیں تھا ہم اس لیے ساری جستجو کرتے ہیں تو یہ جو فعل ہم ارادتاً کرتے ہیں یہ مقدر نہیں ہے۔ مقدر اجر ہے کہ اگر یہ کرے گا تو یہ اجر ملے گا اور اگر یہ کرے گا تو یہ سزا ملے گی فیصلہ انسان پر ہے، یہی فیصلہ انسان کے اختیار میں ہے۔ رہا رزق کا معاملہ تو اگر وہ لوٹ کھسوٹ کرتا ہے تو کر لے گا، قدرت مہلت دے دے گی پھر مرتے ہوئے حسرت ہوگی کہ اتنا جمع کیا وہ کہاں جائے گا، کون لوٹے گا، کس کے حصے میں آئے گا؟ پھر بعض کو دنیا میں اللہ تماشا دکھا دیتا ہے کہ ایسی اولاد دے دیتا ہے کہ کنگال ہو کر مرتے ہیں، اولاد جوئے اور شرابوں میں اڑا دیتی ہے وہ بیٹھ کر حسرت سے سوچ رہے ہوتے ہیں کہ کتنی مشکل سے مال جمع کیا تھا، انہوں نے دنوں میں اڑا دیا۔ یہ مختلف حالتیں ہیں انسان کی لیکن عمل کا مطلب ہے کہ معاملے میں نیکی او رگناہ پر مجبور نہیں ہے۔ اللہ نے لکھ دیا ہے، اللہ جانتا ہے کہ فلاں یہ سب کرے گا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے لکھ دیا ہے تو اُس وجہ سے فلاں یہ کرے گا۔ اللہ نے وہ لکھا ہے جو اس نے کرنا ہے۔ اللہ انسان کی پیدائش سے، تخلیق سے پہلے بھی جانتا ہے کہ یہ پیدا ہوگا وہ یہ سوچے گا وہ یہ کرے گا۔ اللہ کا علم حضوری ہے اس میں ماضی مستقبل نہیں ہے ہر چیز ہمہ وقت اس کے سامنے حاضر ہے۔ علم الٰہی میں صرف حال ہی حال ہوتا ہے ہر چیز جو گزر چکی وہ بھی اس کی بارگاہ میں حاضر ہے اور آئندہ جو پیش آئے گی وہ اس کی بارگاہ میں حاضر ہے۔ اللہ کریم کا علم حضوری ہے۔ اللہ کریم جانتا تھا کہ یہ بندہ قتل کرے گا، یہ بندہ دنیا کو قتلِ عام میں مبتلا کرے گا۔ یہ بندہ اتنے دن حکمران بنے گا اور دنیا کو تباہ کرے گا، وہ جانتا تھا اُس نے پہلے لکھ دیا۔ فرشتے روزانہ کے اعمال لے کر جب جاتے ہیں جمع کر کے، بہت بڑا دفتر ہے جسے لوحِ محفوظ کہتے ہیں۔ وہاں جب جمع کراتے ہیں تو چونکہ اُس (chapter) کے ساتھ منتھی کرنا ہوتا ہے وہاں کا صفحہ جب دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں دیکھو! یہ تو وہی ہے جو سارا پہلے لکھا ہوا تھا اس نے یہی کیا تو وہ لکھا ہوا علم الٰہی میں ہے۔ یہ نہیں کہ اس لکھے سے ہم مجبور ہو گئے ہیں گناہ کرنے پہ۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

بقیہ صفحہ نمبر 15 سے آگے

بقیہ صفحہ نمبر 15 سے آگے

اللہ کی آیات سنتا ہے تو جسم لرز اٹھتا ہے اور ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۔ کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک ہر ذرہ بدن اللہ اللہ کرنے لگ جاتا ہے، ذاکر ہو جاتا ہے۔ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ یہ اللہ کی ہدایت ہے يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ جسے چاہے عطا کر دے اور جنہیں اللہ نے گمراہ کر دیا ہے جن سے اللہ کریم ناراض ہو گئے ہوں انہیں پھر ہدایت کون دے سکتا ہے؟ اللہ کریم ہم سب کو معاف فرمائے اور ہماری سب کی کوششیں قبول فرمائے اور ہمارے سینے کھول دے اور نورِ طلب عطا فرمائے۔ اپنا جائزہ لیتے رہا کیجئے۔ اپنا محاسبہ کرتے رہا کیجئے۔ دعا ضرور کیجئے اپنے لیے بھی میرے لیے بھی میری بھی۔ ذمہ داری ہے آپ کے کہنے کی ضرورت نہیں ہے سب کے لیے دعا کروں گا لیکن بات تب ہوگی جب عملاً آپ کریں گے۔ اللہ کریم توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

مغرب کا فکری و تہذیبی چیلنج اور علماء کی ذمہ داریاں

ڈاکٹر محمود احمد غازی
(سابق صدر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہٗ اجمعین۔

اس وقت دنیائے اسلام جس دور سے گزر رہی ہے، یہ دور، اسلام کی تاریخ کا انتہائی مشکل دور ہے۔ امتِ مسلمہ کو جو مشکلات آج درپیش ہیں، شاید ماضی میں اتنی مشکلات کبھی درپیش نہیں ہوئیں۔ ایک اعتبار سے امت مسلمہ کی پوری تاریخ بحرانوں کی تاریخ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور نبوت کے آغاز سے لے کر، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دارارقم میں قیام فرماتے، آج تک کوئی صدی اور صدی کا کوئی حصہ یا کوئی عشرہ ایسا نہیں گزرا جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ اس میں مسلمانوں کو کوئی مشکل درپیش نہیں تھی۔ لیکن ان ساری مشکلات میں اور آج کی مشکل میں ایک بڑا بنیادی فرق ہے۔ ماضی کی جتنی مشکلات اور پریشانیاں تھیں وہ عموماً زندگی کے کسی ایک گوشے تک محدود ہوتی تھیں۔ مسلمانوں کو عسکری اعتبار سے کسی دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا، پیچھے ہٹنا پڑا، پسپائی اختیار کرنا پڑی۔۔۔ یہ ایک عسکری شکست یا عسکری ہزیمت کا معاملہ تھا، یا مسلمانوں کی کوئی حکومت کمزور ہوئی، غیر ملکی قوتیں مضبوط ہوگئیں اور مسلمان سیاسی طور پر پسماندگی کا شکار ہوئے۔۔۔ یہ سیاسی میدان کی کمزوری تھی۔ اس طرح کی کمزوریاں جو عموماً سیاسی، مالی، عسکری یا مادی ہوتی تھیں، تقریباً ہر دور میں پیش آتی رہی لیکن ان سارے ادوار میں مسلمانوں کا خاندان، مسلمانوں کی تعلیم، مسلمانوں کا نظام تربیت اور مسلمانوں کی جو اندرونی ساخت اور تشکیل (Internal Fabric) تھی وہ اکثر و بیشتر بیرونی خطرات اور حملوں سے محفوظ رہی۔ تاتاریوں کے حملے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دنیائے اسلام پر اس سے برا وقت کوئی نہیں آیا۔ یقیناً وہ بہت برا وقت تھا کہ افغانستان کے مشرقی علاقوں سے لے کر مصر کی حدود تک اور ترکی کے جنوبی علاقوں سے لے کر جزیرۃ العرب کے وسط تک، یہ سارا علاقہ تاتاریوں کی تاخت و تاراج کی آماجگاہ تھا۔ انہوں نے ہزاروں علمائے کرام کو شہید کیا اور بڑے بڑے جید ترین اکابر اسلام ان کی تلوار کا نشانہ بنے۔ خواجہ فرید الدین عطار، جن کے بارے میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

عطار او بود وسینائی دو چشم او
از پئے سینائی وعطار آمدیم

اس درجے کے انسان کی پیروی پر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ جیسے آدمی نے فخر کا اظہار کیا ہے، ایسے اونچے اونچے لوگ تاتاریوں کی تلوار کا شکار ہوئے۔ کتب خانے انہوں نے جلادیے، شہر برباد کر دیئے، یہاں تک کہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب "البدایہ والنہایہ" میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کی شکست خوردگی اور پست ہمتی کا یہ عالم تھا کہ "اذا قیل لك ان التتار انهزموا فلا تصدق" یعنی اگر تمہیں یہ خبر دی جائے کہ تاتاریوں کو شکست ہوگئی ہے تو اس پر یقین نہ کرو۔ گویا تاتاریوں کی شکست ناقابل تصور سمجھی جاتی تھی اور یہ بات ضرب المثل بن گئی تھی۔ لیکن اس ساری تباہی اور بربادی کے باوجود تاتاریوں کی شکست و ریخت کا دارومدار، سارا کا سارا مسلمانوں کی عسکری اور سیاسی کمزوری پر تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو سیاسی نقصان پہنچایا، عسکری نقصان پہنچایا، لیکن ان کے پاس کوئی دین نہیں تھا، کوئی پیغام نہیں تھا، کوئی تہذیب نہیں تھی، کوئی مذہب نہیں تھا، کوئی فکری ایجنڈا نہیں تھا، اس لیے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن، تربیت اور خاندانی نظام ان کے حملوں سے محفوظ رہا اور ان میں سے کوئی چیز متاثر نہیں ہوئی۔ نتیجہ

یہ نکلا کہ مسلمانوں کی اندرونی قوت نے ان کا ساتھ دیا اور بہت جلد وہ تاتاریوں کی شکست کے نتائج اور ثمراتِ بد سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہی کیفیت بقیہ بہت سے معاملات کی بھی رہی۔

آج جو صورتحال درپیش ہے، اور آج سے نہیں پچھلے ڈیڑھ سو سال سے درپیش ہے، وہ یہ ہے کہ ہر آنے والا دن، ہر نکلنے والا سورج خطرے کی یا پریشانی کی ایک نئی جہت لے کر آتا ہے۔ آج اسلامی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو خطرات سے دوچار نہ ہو۔ فرد کے ذاتی کردار اور تربیت کا معاملہ ہو، گھر کے اندر ماں اور بچوں کے درمیان کا معاملہ ہو، میاں بیوی کے تعلقات کا معاملہ ہو، گھر کی خواتین کے رویے کا معاملہ ہو، تعلیم و تربیت کا معاملہ ہو، یا مساجد کے اندر جاری سرگرمیوں اور معمولات کا معاملہ ہو، ان میں سے ہر چیز آج براہ راست مغربی حملے کی زد میں ہے۔ تاتاریوں نے شاید کبھی یہ نہیں پوچھا ہوگا کہ جامعہ ازہر میں کیا پڑھایا جا رہا ہے، مسلمانوں کی نصاب کی کتابوں میں کیا لکھا جا رہا ہے، فقہ کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ انہوں نے کبھی یہ چیز زیرِ بحث لانے کی کوشش نہیں کی۔ اسی طرح انگریز کے ڈیڑھ دو سو سال یہاں رہنے کے باوجود مسلمانوں کی اندرونی ساخت بڑی حد تک (by and large) مغربی اثرات سے محفوظ رہی اور ایسے لوگ ہزاروں نہیں، بلکہ لاکھوں کروڑوں تھے جن کی زندگی کا ایک لمحہ یا ایک گوشہ بھی انگریزی اثرات سے متاثر نہیں ہوا۔

میرے خاندان کے ایک بزرگ تھے، حافظ محمد اسماعیل جو بڑے عالم اور محدث تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں کسی انگریز کی شکل نہیں دیکھی، انگریزی کا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا اور اپنے گھر میں کسی کو انگریزی کا لفظ استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ہندوستان میں پہلے شاید ٹماٹر نہیں ہوتا تھا، بعد میں جب یہاں ٹماٹر آیا تو یہ لفظ شاید انگریزی کے tomato کی اردو شکل تھی۔ حافظ اسماعیل صاحب ٹماٹر کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے اور اگر کوئی یہ لفظ بولتا تھا تو اس پر ناخوشی کا اظہار کرتے تھے۔ انہوں نے اس کا نام لال بینگن رکھا ہوا تھا۔ میرے والد صاحب بتاتے تھے کہ ایک دن گھر میں انہوں نے پوچھا کہ سالن میں کیا ڈالا ہے؟ ان سے کہا گیا کہ ٹماٹر ڈالا ہے تو وہ سخت ناراض ہوئے کہ نصرانیت میرے گھر میں گھس آئی؟ اس کو لال بینگن کیوں نہیں کہتے؟

بظاہر یہ بات آج ہمیں لطیفہ معلوم ہوتی ہے لیکن اگر مسلمانوں میں کچھ لوگ اتنی شدت کے ساتھ مغربی اثرات میں رکاوٹ پیدا نہ کرتے تو مغربی اثرات آج سے سو سال پہلے اسی طرح لوگوں کے گھروں میں گھس جاتے جیسا کہ آج گھستے ہوئے محسوس ہو رہے ہیں۔ اس طرح کی مثالیں ایک دو نہیں، ہزاروں ہیں اور لاکھوں، بلکہ کروڑوں انسان ایسے ہیں جنہوں نے مغربی اثرات کے خلاف مزاحمت کی اور مسلمانوں کو ان سے محفوظ رکھنے کی سعی کی۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ انہوں نے مغرب کی مثبت چیزوں کو بھی روکا۔ یقیناً بعض باتیں مغرب میں مثبت بھی تھیں جن کے ثمرات سے مسلمان محروم رہے لیکن آج یہ بات کہنا اور تبصرہ کرنا تو بڑا آسان ہے کہ فلاں بزرگ نے پابندی لگا دی تھی اور مغربی اثرات کے ثمرات سے مسلمانوں کو محروم رکھا، لیکن آج سے سو سال پہلے کے ماحول میں جو انسان اس طوفان کے سامنے کھڑا ہے، جو اس کو نظر آ رہا ہے اور اس کے اثرات و ثمرات اس کے سامنے ہیں، وہ ایک فیصلہ کر لے اور اس فیصلے کے نتیجے میں بعض منفی اور بیشتر مثبت چیزیں سامنے آئیں تو آج ہم یہ کہنے میں حق بجانب نہیں ہیں کہ فیصلہ کرنے والے کو کیا فیصلہ کرنا چاہیے تھا۔ ویسے بھی ''لغو'' سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ ماضی میں جس نے کوئی فیصلہ کیا، اس نے اس کی ذمہ داری بھی لی۔ بعض لوگوں نے ایک فیصلہ کیا، اس نے اس کی ذمہ داری بھی لی۔ ہم نتائج پر تو بات کر سکتے ہیں، لیکن ماضی کو مستقبل کی طرف سے مشورہ دینا کہ ان کو کیا کرنا چاہیے تھا، ایک غیر ضروری مشورہ ہے جس کا کوئی نتیجہ مستقبل میں نکلنے والا نہیں۔

آج کی صورتحال یہ ہے کہ جن حضرات نے سو سال پہلے امتِ مسلمہ کو مغرب کے اثرات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی تھی، وہ جذبہ اور رویہ کمزور پڑ گیا ہے اور مغرب کے اثرات کے لیے مسلمانوں کے ہر گھر کے دروازے اور ہر کمرے کی کھڑکیاں اس طرح کھلی ہیں کہ اس مغرب کے کسی اچھے یا برے اثر کو آنے سے آپ نہیں روک سکتے۔ ہمارے ہاں بہت سے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی تہذیب کے مثبت پہلوؤں کو ہمیں اپنے اندر آنے کا موقع دینا چاہیے اور اس کے منفی اثرات کا راستہ روکنا چاہیے۔ یقیناً یہ درست رویہ ہے اور ہر مسلمان اس سے اتفاق کرے گا۔

یہ "خذما صفا ودع ما کدر" کا اصول ہے جس سے مسلمانوں نے ہمیشہ اتفاق کیا اور جو مسلمانوں کی فکری اور علمی تاریخ کا ہمیشہ طرۂ امتیاز رہا ہے، لیکن ہم میں سے بہت سے لوگ یہ اندازہ نہیں کر پاتے کہ کیا مغرب کا ایجنڈا بھی یہی ہے کہ ہم "خذما صفا ودع ما کدر" پر عمل کریں؟ جو چیز ہمارے لیے قابل قبول ہو، وہ ہمارے سامنے پلیٹ میں رکھ کر پیش کر دیں اور جو چیز ہمارے لیے قابل قبول نہ ہو، اس کو واپس اپنی الماری میں رکھ دیں؟ حقیقت یہ ہے کہ مغرب اپنا پورا ایجنڈا یہاں لانا چاہتا ہے اور انہوں نے ہم سے زیادہ اس پر غور کیا ہے کہ ان کی تہذیب کا جو پورا پیکج ہے، اس کی کون سی چیزیں ہماری تہذیب کے لیے مفید ہیں اور کیا چیزیں اس پر منفی اثرات مرتب کر سکتی ہیں۔ اس پر باقاعدہ کتابیں لکھی گئی ہیں اور صرف عام سطح پر نہیں بلکہ بڑی سے بڑی اور اعلیٰ سے اعلیٰ سطح پر اس پر غور وخوض ہوا ہے، حتیٰ کہ اگر آپ نے سابق امریکی صدر نکسن کی کتاب "Seize the Moment" پڑھی ہو تو اس میں اس نے پوری تفصیل سے یہ بات بیان کی ہے کہ دنیائے اسلام میں مغربی اثرات کا نفوذ کس حد تک ہے اور کس طرح ہونا چاہیے۔ یہ بات نہ صرف نکسن نے لکھی ہے بلکہ ان کے صف اوّل کے تمام دانشور، مفکرین اور مدبرین یہ بات لکھ رہے ہیں۔

آج سے چند سال پہلے مجھے جرمنی میں ایک اجتماع میں جانے کا موقع ملا جس میں مختلف ممالک کے دانشور اور مفکرین مدعو کیے گئے تھے، جن میں واحد مسلمان شریک، میں تھا۔ میرے علاوہ باقی لوگ مغربی یورپ اور خاص طور پر وسطی یورپ سے بلائے گئے تھے۔ اس اجتماع کا عنوان تھا Is Islam a threat to West and Europe? (کیا اسلام مغرب اور یورپ کے لیے ایک خطرہ ہے؟) اس میں انہوں نے مجھے بلایا تھا کہ اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ یہ کوئی ایک ہفتہ کی نشست تھی جس میں ہر شخص تفصیل سے اپنے خیالات حاضرین کے سامنے پیش کرتا تھا۔ اس میں ایک دن مجھے بھی گفتگو کرنے کا موقع ملا جس میں یہ سوال سامنے آیا کہ دنیائے اسلام میں مغربی اثرات کے حوالے سے کیا رویہ رہا ہے؟ اس کے جواب میں، میں نے کہا کہ عالم اسلام میں جب سے مغربی اثرات آئے ہیں، جس کو کم وبیش دو سو سال کا عرصہ ہو چکا ہے، اس کے بارے میں دنیائے اسلام نے تین رویے اختیار کیے ہیں۔ ان میں سے دو رویے تو بتدریج کمزور ہو رہے ہیں یا محسوس ہو رہا ہے کہ وہ کمزور ہو رہے ہیں اور تیسرا رویہ بڑھتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اس میں پچھلے پچاس سالوں میں قوت پیدا ہوئی ہے۔

ایک رویہ جو سمٹ رہا ہے اور سمٹتے سمٹتے تقریباً ختم ہونے کے قریب ہے، وہ ہے جس کی مثال میں نے لال بینگن اور ٹماٹر کے حوالے سے دی۔ اب شاید دنیائے اسلام میں اس طرح کی مزاحمت کرنے والے لوگ موجود نہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں اس طرح کی مزاحمت کی افادیت کے قائل بھی کہ نہیں رہے۔ اگر ہیں تو بہت تھوڑے لوگ ہیں جن کا کوئی قابل ذکر اثر معاشرے میں نہیں ہے۔ یہ وہ رویہ تھا جو ابتداء میں بہت مضبوط تھا لیکن پھر وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہوتا گیا۔

دوسرا رویہ جو شروع میں بہت قوت سے سامنے آتا محسوس ہوتا تھا، مسلمانوں کی اکثریت نے اس سے بھی زیادہ اتفاق نہیں کیا اور یہ رویہ بھی کمزور ہوتا محسوس ہو رہا ہے۔ یہ وہ رویہ ہے جو مکمل طور پر مغرب کے رنگ میں رنگ جانے کا رویہ ہے جس نے یہ سمجھا کہ مسلمان اگر مغرب کے ساتھ سو فیصد ہم آہنگی کر لیں تو شاید ان کے تمام مسائل حل اور تمام مشکلات دور ہو جائیں گی۔ اس رویے کے ترجمان 19ویں صدی کے اواخر اور 20ویں صدی کے آغاز میں دانشوروں میں بھی، سیاسی لیڈروں میں بھی اور عالم سطح پر بھی کثرت سے پائے جاتے تھے لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ یہ رویہ بھی کمزور ہو رہا ہے۔

تیسرا رویہ جو آغاز میں بہت کمزور اور تقریباً برائے نام تھا اب دنیائے اسلام میں اس نے اپنی جگہ بنالی ہے اور مسلمان مفکرین اور دانشوروں کی ایک بڑی تعداد اس کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہ وہی "خذما صفا ودع ما کدر" کا رویہ ہے کہ مغربی تہذیب کے مثبت پہلوؤں سے مسلمانوں کو استفادہ کرنا چاہیے۔ ان کی سائنس، ان کی ٹیکنالوجی، ان کی سہولتیں، یہ مسلمانوں کے لیے قابل قبول ہونی چاہئیں، اور ان کو اپنانا چاہیے۔ جبکہ ان کے جو منفی پہلو ہیں مثلاً اخلاق اقدار کے متعلق ان کے خیالات ونظریات، یا سیکولرازم اور لامذہبیت، یا مرد وزن کی آزادی کا تصور جو ان کے ہاں ہے یہ چیزیں دنیائے اسلام

کو قبول نہیں کرنی چاہئیں۔ یہ رویہ پہلے بہت محدود تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس میں وسعت پیدا ہوئی ہے اور آج دنیائے اسلام کی ایک بڑی تعداد اس رویے پر قائم محسوس ہوتی ہے۔

1992ء، 1993ء میں مذکورہ اجتماع میں جب میں نے ایک سوال کے جواب میں مذکورہ تجزیہ تفصیل سے بیان کیا تو اس کے جواب میں اجتماع کے شرکاء نے، جن میں فرانسیسی نمائندے بھی شامل تھے، جرمن بھی شامل تھے اور آسٹریلیا کے لوگ بھی تھے، تقریباً بالاتفاق مجھے Controvert کیا اور کہا کہ ٹھیک ہے، آپ اس رویے کو درست سمجھتے ہوں گے لیکن مغرب ان شرائط پر اپنی ٹیکنالوجی اور اپنی تہذیب وتمدن سے آپ کو استفادہ کرنے کی اجازت دینے کو تیار نہیں ہوگا۔ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت پہلی مرتبہ یہ پہلو میرے سامنے آیا۔ اس سے پہلے میرا ذہن اس طرح متوجہ نہیں تھا کہ آیا مغرب بھی اس بات پر تیار ہے یا نہیں کہ آپ کی شرائط پر اپنی ٹیکنالوجی اور تہذیب سے آپ کو استفادہ کرنے کی اجازت دے گا۔ یہ ایک پورا پیکج ہے جسے آپ کو جوں کا توں قبول کرنا پڑے گا اور اس میں وہ آپ کو اخذ وانتخاب (Pick and choose) کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس وقت میں نے یہ سمجھا کہ یہ دانشور اور مفکرین شاید اپنی Main stream کی ترجمانی نہیں کر رہے اور مغربی تہذیب میں جو فیصلہ کن قوتیں ہیں ان کی زبان نہیں بول رہے۔ جیسے ہر شخص اپنی تہذیب کے بارے میں ایک عصبیت کا رویہ رکھتا ہے، یہ بھی اپنی تہذیب کے بارے میں ایک عصبیت اور حمیت رکھتے ہیں اور اس عصبیت کا رویہ رکھتا ہے، یہ بھی اپنی تہذیب کے بارے میں ایک عصبیت اور حمیت رکھتے ہیں اور اس عصبیت کی وجہ سے یہ بات ان کو پسند نہیں آئی کہ ہم ان کی تہذیب کے بعض پہلوؤں کو منفی قرار دے کر مسترد کرنا چاہتے ہیں۔ ایک کمزور اور غریب فقیر آدمی کسی دولت مند آدمی سے یہ کہے کہ آپ کی کوٹھی یا محل میں فلاں فلاں چیزیں مجھے غلط معلوم ہوتی ہیں اور میں انہیں مسترد کرتا ہوں تو ظاہر ہے کہ اسے اچھا نہیں لگے گا اور وہ اس کو بے وقوف سمجھے گا۔ میرا تاثر یہ تھا کہ شاید وہ اس نفسیاتی کیفیت میں میری بات کی تردید کر رہے ہیں لیکن پچھلے بارہ پندرہ سالوں میں مغرب کے بہت سے لوگوں سے ملنے، ان کی باتیں سننے اور ان کی تحریریں پڑھنے کا اتفاق ہوا اور اب مجھے یہ لگتا ہے کہ یہ ان کی طے شدہ پالیسی ہے جو انہوں نے سوچ سمجھ کر اختیار کی ہے کہ دنیائے اسلام اپنے آپ کو مکمل طور پر مغرب کے رنگ میں رنگے اور مکمل طور پر مغربی ایجنڈے کو اختیار کرے اور اگر وہ اس کے لیے تیار نہ ہو تو مغربی تہذیب کے فوائد یا مثبت اثرات سے مسلمانوں کو متمتع ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔ یہ بات جو 1993ء سے پہلے میرے علم میں نہیں تھی، اب وقت کے ساتھ ساتھ روزِ روشن کی طرح یوں واضح ہے کہ مجھے یوں لگتا ہے کہ یہ پوری دنیائے مغرب کا ایک طے شدہ فیصلہ ہے کہ پوری دنیائے اسلام پر مغرب کے ایجنڈے کو سو فیصد مسلط کر دیا جائے۔

مغرب کا ایجنڈا ایک ہمہ گیر ایجنڈا ہے اور اس میں ہر چیز شامل ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ہاں جو بہت سے کام ہو رہے ہیں وہ محض اتفاق سے یا مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے ہو رہے ہیں۔ یقیناً مسلمانوں میں کمزوریاں بھی ہیں اور ان کی دینی حمیت میں کمی بھی آئی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ بالادست قوتیں بھی ہیں جو طے شدہ پروگرام کے تحت آگے بڑھ رہی ہیں اور دنیائے اسلام کو ایک خاص رخ پر چلانا چاہتی ہیں۔ اب مسلمان کس حد تک اس میں ساتھ جانے کو تیار ہیں، مسلمان دانشور جو سمجھتے ہیں کہ مغرب کی مثبت چیزوں سے اتفاق کریں اور منفی چیزوں کو مسترد کر دیں، وہ کس حد تک اس میں کامیاب ہوں گے اور مستقبل کیا خبر لائے گا، یہ اللہ ہی کو بہتر معلوم ہے لیکن اس رویے کی کامیابی کا سارا دارومدار مسلمانوں کے فہمِ صحیح پر، مسلمانوں کی بصیرت اور ان کے عزم وارادے پر ہے، اور اس کے لیے جو چیز سب سے پہلے درکار ہے، وہ خود دنیائے اسلام میں اسلامی تہذیب، اسلامی علوم وفنون اور معارفِ اسلامی سے گہری اور ماہرانہ واقفیت ہے۔ جب تک شریعت اور شریعت کے پیغام اور تعلیم میں یہ گہری بصیرت اور ماہرانہ واقفیت پیدا نہیں ہوگی، اس وقت تک کوئی ایسی بنیاد فراہم نہیں ہو سکتی جس پر آگے چل کر عمارت کھڑی کی جا سکے۔

ایک زمانہ تھا کہ دنیائے اسلام میں، میں علوم وفنون کی اساس قرآن مجید تھا۔ قرآن مجید وہ جڑ فراہم کرتا تھا جس سے علوم وفنون کا گلشن پیدا ہوا۔ یہی وہ درخت تھا جس کے برگ وبار اور ثمرات

مسلمانوں کے بقیہ علوم وفنون کی صورت میں سامنے آئے۔آج سے کم وبیش ایک ہزار سال پہلے قاضی ابوبکر بن العربی نے جو ایک مشہور مفسر اور مالکی فقیہہ ہیں، کہیں لکھا ہے کہ مسلمانوں کے جملہ علوم وفنون کی تعداد سات سو ہے۔ان سات سو علوم وفنون کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ سنت سے ہے اور یہ سب کے سب سنت کی شرح ہیں اور سنت رسول ﷺ قرآن مجید کی تشریح وتفسیر ہے۔اس لیے قرآن مجید کی حیثیت اس بنیاد اور جڑ کی ہے جس پر مسلمانوں کی ساری تعلیمی، فکری اور تہذیبی سرگرمی کا دارومدار ہے۔یہ کیفیت کم وبیش گیارہ، بارہ سو سال رہی اور ایک ایسے نظام تعلیم نے جس کی اساس قرآن مجید، سنت رسول ﷺ اور ان دونوں سے پیدا ہونے والے علوم وفنون پر تھی، امتِ مسلمہ کی تمام ضروریات کو پورا کیا۔امتِ مسلمہ میں بڑی بڑی ریاستیں بھی قائم ہوئیں، بڑی بڑی تہذیبیں سامنے آئیں اور یورپ کے کم وبیش آدھے حصے پر مسلمانوں کے آثار آج بھی موجود ہیں۔اسی طرح اسپین میں آج بھی مسلمانوں کی سات سو سالہ حکومت کے آثار موجود ہیں۔جہاں باں کے اس پورے سلسلے میں اسلامی علوم وفنون اور وحدت پر مبنی نظام تعلیم نے مسلمانوں کے خالص دینی تقاضے بھی پورے کیے اور خالص دنیوی تقاضے بھی۔یہ تاثر کہ دینی اور دنیوی علوم جدا جدا ہیں، اسلامی تاثر نہیں، بلکہ یہ مغرب کا تحفہ اور مغربی سیکولرازم کے باقیات واثرات میں سے ہے۔مجھے یہ بات کہنے میں کوئی تامل نہیں اور میں بغیر کسی تردد کے یہ بات عرض کرتا ہوں کہ جب تک یہ دو نظام الگ الگ رہیں گے، دنیائے اسلام میں سیکولرازم کو فروغ ملتا رہے گا۔سیکولرازم کیا ہے؟ سیکولرازم یہ ہے کہ جو چیز مذہبی ہے وہ مذہبی دائرے میں رہے اور جو غیر مذہبی ہے وہ غیر مذہبی دائرے میں رہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی اتفاق پیدا نہ ہو۔یہ دونوں ایک نہر یا ایک دریا کے دو کنارے ہیں جو کبھی آپس میں نہیں ملتے اور ایک دوسرے کے متوازی چلتے رہتے ہیں۔زندگی کو دو متوازی نظاموں اور دو متوازی حصوں میں تقسیم کرنا، اسی کو سیکولرازم کہتے ہیں۔یہی لامذہبیت اور لادینیت ہے۔لادینیت کسی اور چیز کا نام نہیں ہے۔

انگریز کے زمانے میں جب main stream کی قیادت مسلمانوں سے چھن گئی تو اس وقت مسلمانوں کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اسلامی علوم وفنون کے تحفظ کے لیے ایک خالص دینی نظام تعلیم کے قیام پر اپنی توجہ مرکوز کریں۔یہ ایک دفاعی حکمت عملی تھی اور امت مسلمہ میں مذہب کی باقیات کو بچانے کا واحد طریقہ تھا کہ مذہبی تعلیم کے نام پر جو کچھ کیا جا سکتا ہے وہ کیا جائے اور جس حد تک مسلمانوں کی مذہبی زندگی کو برقرار رکھا جا سکتا ہے، رکھا جائے۔اس سے پہلے کبھی بھی ایسا نہیں تھا کہ دینی تعلیم اور دنیاوی تعلیم کے دو الگ الگ نظام موجود رہے ہوں۔

چنانچہ مغلیہ دور میں جس درسگاہ نے، جس نظام تعلیم اور نصاب تعلیم نے مجدد الف ثانیؒ جیسا شخص پیدا کیا، جس کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم کا یہ جملہ میں ہمیشہ دہرایا کرتا ہوں کہ The greatest religious genious produced by Muslim India. (مسلم ہندوستان نے سب سے بڑا جو مذہبی عبقری پیدا کیا، وہ شیخ احمد سرہندیؒ تھے) اسی نظام میں نواب سعد اللہ خان بھی تیار ہوا تھا جو مجدد صاحب کا کلاس فیلو تھا اور جو سلطنت مغلیہ کا وزیر اعظم بنا۔وہ سلطنت مغلیہ جو موجودہ افغانستان، پاکستان، ہندوستان، نیپال، بنگلہ دیش، سری لنکا، بھوٹان، سکم، برما، ان سب ریاستوں پر مشتمل تھی۔اس کے نظام کو اس نے شاہ جہان کے زمانے میں کامیابی سے چلایا تھا۔پھر استاد احمد معمار جس نے تاج محل بنایا، یہ بھی مجدد صاحب کا کلاس فیلو تھا۔یہ تینوں ایک ہی استاد کے شاگرد تھے اور ایک ہی درسگاہ کے پڑھے ہوئے تھے۔اب دیکھیے کہ ایک وہ شخص جس نے دنیا کی متمدن ترین سلطنت کو اس کے کامیاب ترین ادوار میں قیادت فراہم کی اور اس کا نظام چلا کر دکھایا، دوسرا وہ شخص جو ہندوستان کی تاریخ کا سب سے بڑا مذہبی عبقری ہے، جس کی عظمت کو بیان کرنا دشوار ہے اور جس نے برصغیر کی دینی تحریکات پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ بعد کی کوئی دینی تحریک اور کوئی دینی سرگرمی اس کے اثر اور شخصیت کے احترام سے خالی نہیں ہے اور تیسرا وہ شخص جس نے دنیا کے سات عجائب میں سے ایک عجوبہ بنایا۔یہ تینوں افراد ایک ہی نصاب کے پڑھے ہوئے اور ایک ہی تعلیمی نظام کی پیداوار تھے۔یہی اسلام کا آئیڈیل اور یہی اسلام کا معیار ہے۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پاکستان بننے کے بعد ہم اس پر از سر نو غور

کرتے لیکن یہ کام نہ حکومتوں نے کیا اور نہ ہی اہل علم نے اس پر ابھی تک کوئی توجہ دی ہے، لیکن اس پر جتنی جلدی غور ہو جائے، اچھا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کام پوری امت مسلمہ کی تاریخ کے ایک مرحلہ کی تشکیل نو کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایک نئے دور کی بنیاد رکھنے کے مترادف ہے۔ اور علماء کا انگریزوں کے آگے بند باندھنا ایک بدلی ہوئی صورتحال میں دفاعی اور وقتی کوشش تھی۔ وہ آئیڈیل صورت نہیں تھی اور نہ ہی وہ آئیڈیل حالات تھے۔ نہ وسائل دستیاب تھے، نہ حکومتی سرپرستی دستیاب تھی، اور نہ وہاں کے فارغ شدہ حضرات کے لیے قیادت کے مناصب موجود تھے۔ معاشرہ ان کی قیادت کو ماننے اور ان سے رہنمائی لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ان کی رہنمائی مسجد اور مدرسے کے خاص دائرے تک محدود تھی۔ اس کے لیے انہوں نے جو کچھ کیا اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے گا اور جتنا دین موجود ہے انہی کی کاوش سے موجود ہے لیکن اب ضرورت اس بات کی ہے کہ جو دین موجود ہے، اس کو زندگی کے روز مرہ معاملات سے relate کیا جائے اور اس کو معاشرے میں فعال قائدانہ کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں لایا جائے۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ اہل دین کے پاس دینی علوم کا تخصص بھی موجود ہو اور جس معاشرے میں انہیں قیادت فراہم کرنی ہے، اس کے بارے میں بھی قائدانہ اور ناقدانہ واقفیت انہیں حاصل ہو۔

جب میں یہ بات عرض کرتا ہوں تو بعض علماء کرام یہ سمجھتے ہیں اور مجھ سے انہوں نے اس کا اظہار بھی فرمایا کہ میں اس بات کا داعی ہوں کہ دینی مدارس کو میڈیکل کالجز میں (Convert) کر دیا جائے یا انہیں انجینئرنگ کے ادارے بنا دیا جائے۔ ایک بڑے محترم اور بزرگ عالم نے مجھ سے غصے سے پوچھا کہ کیا انجینئرنگ کالج میں مولوی تیار ہوتے ہیں؟ نہیں، تو پھر دینی مدارس میں انجینئر کیوں تیار ہوں؟ لیکن یہ اعتراض درست نہیں ہے، اس لیے کہ نہ انجینئر تیار کرنا مقصد ہے اور نہ میڈیکل ڈاکٹر تیار کرنا بلکہ علماء کرام ہی تیار کرنا مقصد ہے، لیکن نواب سعد اللہ خان کی طرح کے علماء۔

اصل بات یہ ہے کہ ہر دور کا ایک محاورہ اور ایک زبان ہوتی ہے۔ قرآن مجید اور سنت تو ایسی چیزیں ہیں جو ہمیشہ کے لیے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ ان کا محاورہ ہر دور کے لیے ہے اور ہر دور کے لیے رہے گا۔ ان کے محاورے میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی، وہ ہمیشہ وہی رہے گا، اور ان کو ہمیشہ انہی کے محاورے اور انہی کی اصطلاح میں سمجھا جائے گا، لیکن فقہاء کرام، شارحین حدیث اور مفسرین نے شریعت کے نصوص کو اپنے اپنے زمانے سے relate کیا اور اپنے زمانے کے محاورے میں اس کی تعلیم کو مرتب کیا ہے۔ یہ محاورہ حالات کے بدلنے سے بدل سکتا ہے۔ ماضی میں بھی بدلتا رہا ہے اور آئندہ بھی بدلتا رہے گا۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال میں آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں کہ وہ علماء کرام جن کے پاس ٹھوس دینی علوم موجود ہیں، جن کے پاس پاور ہاؤس اور اس میں قوت کا ذخیرہ موجود ہے، چونکہ ان کا محاورہ آج کے محاورے سے مختلف ہے اس لیے دور جدید کا آدمی ان کے علم سے استفادہ نہیں کرتا۔ آج سے کم وبیش 25 سال پہلے وفاقی شرعی عدالت قائم ہوئی۔ جسٹس صلاح الدین مرحوم اس کے پہلے چیف جسٹس تھے۔ بہت نفیس انسان تھے۔ میرے مشورے سے انہوں نے بعض علماء کرام کو وفاقی شرعی عدالت کا مشیر مقرر کیا۔ میں نے ان سے کہا کہ جن حضرات کو آپ نے مشیر مقرر کیا ہے (جن کی تعداد 30، 35 کے قریب تھی) ان سب کو آپ کھانے کی دعوت دیں۔ چنانچہ انہوں نے پورے پاکستان سے ان جید علماء کرام کو کھانے کی دعوت دی۔ ایک بزرگ جو بہت ٹھوس عالم تھے، انتہائی گہرا علم رکھتے تھے، وہ ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئے۔ چیف جسٹس صاحب نے ان سے پوچھا کہ حضرت! Islamic state کی Minimum requirement کیا ہے؟ بالکل یہی الفاظ تھے، یعنی کسی ریاست کے اسلامی ریاست ہونے کے کم سے کم تقاضے کیا ہیں؟ اس کا وہ کوئی جواب نہیں دے پائے۔ میں تھوڑے فاصلے پر تھا۔ مجھے خیال ہوا کہ یہ صف اوّل کے عالم ہیں اگر ان کے اس سوال کا جواب نہ دے سکے تو ہو سکتا ہے کہ علماء کے بارے میں ایک منفی تاثر جسٹس صاحب کے دل میں بیٹھ جائے۔ میں نے درمیان میں مداخلت کی گستاخی کرتے ہوئے کہا کہ شاید چیف جسٹس صاحب یہ پوچھنا چاہ رہے ہیں کہ ''دارالاسلام'' کی تعریف کیا ہے؟ اب انہوں نے فوراً جواب دیا اور بڑے مدلل انداز میں جواب دے کر چیف جسٹس کو بڑی حد تک مطمئن کر دیا۔ اس وقت یہ بات مجھ پر واضح ہوئی کہ علماء کرام کے پاس علم تو ہے، لیکن محاورہ نہیں۔

خواتین کا صفحہ

حضرت اُمِّ عطیہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا

ام فاران، راولپنڈی

نام ونسب: نسیبہ بنتِ حارث نام تھا اور آپ انصار کے قبیلہ ابی مالک بن نجار سے تھیں۔ (طبقات ابن سعد، ج:8،ص:322,321) حافظ ابن حجرؒ نے والد کے نام کے علاوہ باقی حسب نسب سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔

قبول اسلام: ام عطیہؓ ان خوش نصیب ہستیوں میں سے تھیں جو ہجرت نبوی ﷺ سے قبل اسلام لائے۔ قیاس یہ ہے کہ آپؓ 12ء بعثت میں بیعت عقبہ اولیٰ کے موقع پہ اسلام لائیں۔ اس طرح آپ انصار کے سابقون الاولون میں شامل ہیں اور آپؓ کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔

حضور ﷺ کی بیعت کا شرف: جب حضور اکرم ﷺ مدینہ میں جلوہ افروز ہوئے تو اہلِ مدینہ جوق در جوق سعادتِ اسلام سے بہرہ مند ہونے کے لیے حضور ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کرنے لگے۔ متعدد انصاری خواتین بھی بیعت کا شرف حاصل کرنا چاہتی تھیں ان میں ام عطیہؓ بھی شامل تھیں۔ چونکہ سرور کائنات غیر عورتوں کے ساتھ اپنا ہاتھ مَس نہیں فرماتے تھے، تاہم آپ ﷺ نے بیعت کی خواہش مند خواتین کو ایک مکان میں جمع ہونے کی ہدایت فرمائی۔ جب تمام خواتین وہاں جمع ہوگئیں تو حضور ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کو ان کی طرف بھیجا کہ ان شرائط پہ ان سے بیعت لے لیں کہ وہ۔

1۔ شرک نہ کریں گی۔

2۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی۔

3۔ چوری نہ کریں گی۔

4۔ زنا سے بچیں گی۔

5۔ کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگائیں گی۔

6۔ اچھی باتوں سے انکار نہ کریں گی۔

حضرت عمرؓ مکان پہ تشریف لائے اور دروازے پہ کھڑے ہوکر بیعت کی یہ شرائط بیان کیں۔ تمام خواتین نے ان کو تسلیم کیا۔ حضرت عمرؓ نے بیعت کی علامت کے طور پر اپنا ہاتھ کھڑا کیا اور مکان کی طرف بڑھایا اور خواتین نے اپنے ہاتھ باہر نکالے یوں وہ حضرت عمرؓ کی وساطت سے حضور ﷺ کی بیعت سے مشرف ہوگئیں۔ بیعت کے بعد حضرت ام عطیہؓ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا: ''اچھی باتوں سے انکار نہ کرنے سے کیا مراد ہے؟''

انہوں نے جواب دیا ''نوحہ اور بین نہ کرنا۔''

اختلاف فی الاستثناء: مولانا سعید انصاری مرحوم اپنی تالیف ''سیر الصحابیات'' میں (مسند حنبل، ج:6،ص:407) کے حوالے سے یہ لکھتے ہیں کہ ''اس وقت حضرت امِ عطیہؓ نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ فلاں خاندان والے میرے ہاں (کسی مرگ پہ) آکر نوحہ کر چکے ہیں اور اب قبائلی رواج کے مطابق مجھے بھی بدلے میں ان کے ہاں جاکر نوحہ کرنا ضروری ہے اس لیے بطور خاص مجھے اجازت مرحمت فرمادیں اور آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔''

۞ **تبصرہ:** ''مولانا سعید اس روایت پر یہ تبصرہ کرتے ہیں کہ اگرچہ بعض روایات کے مطابق حضور ﷺ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا، اور اگر حضور ﷺ نے انہیں مستثنیٰ قرار بھی دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ استثناء بالخصوص ام عطیہؓ کے لیے تھا ورنہ اصلی مسئلہ کہ نوحہ جائز نہیں اپنی جگہ پر ثابت ہے۔''

۞ **دوسری روایت:** صحیح بخاری میں یہ واقع بالکل دوسری طرح سے بیان ہوا ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ "خود حضرت اُم عطیہؓ نے واقعہ بیعت میں بیان کیا ہے کہ "جب ہم نے حضور ﷺ کی بیعت کی تو آپ ﷺ نے جب حکم الٰہی کے مطابق شرک نہ کرنے اور نوحہ کرنے سے منع فرمایا تو اس کو سُن کر ایک عورت نے اپنا ہاتھ اُٹھالیا اور کہا ایک عورت نے میرے ساتھ نوحہ کہا تھا میں اس کا بدلہ تو اتارلوں اور کہہ کر وہ چلی گئی پھر دوبارہ آکر آپ ﷺ کی بیعت کی۔"

گویا اس خاتون نے یہ کام حضور ﷺ کی بیعت کرنے سے پہلے کیا اور پھر آکر بیعت کی۔

عام حالات: سرورِ کائنات ﷺ حضرت ام عطیہؓ پہ بہت شفقت فرماتے تھے اور آپؓ پر بہت اعتماد کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ازراہِ شفقت حضرت اُم عطیہؓ کو صدقہ کی بکری بھیجی۔ انہوں نے ذبح کر کے گوشت تقسیم کیا تو کچھ حصہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھی بھیجا۔ حضور ﷺ گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ سے کھانے کا پوچھا انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ ﷺ! اور تو گھر میں کوئی چیز نہیں موجود سوائے اس گوشت کے جو آپ ﷺ نے بکری نسیبہؓ (ام عطیہؓ) کو بھیجی تھی۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "لاؤ کیونکہ بکری حقدار کو پہنچ چکی!"

غزوات میں شرکت: اہلِ سیر نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شریک ہوئیں۔ گویا وہ ان چند خواتین میں سے ہیں جنہیں حضور ﷺ غزوات میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

صحیح مسلم خود ام عطیہؓ سے روایت کرتے ہے "میں حضور ﷺ کے ہمراہ سات غزوات میں شریک ہوئی۔ میں مجاہدین کے کجاووں کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے رہتی، مجاہدین کے لیے کھانا پکاتی، زخموں کا علاج کرتی اور مصیبت زدوں (بیمار وغیرہ) کی نگہداشت کرتی تھی۔" (مسلم، ج:2، ص:105)

غسلِ میت کی تربیت: 8ھ میں حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے وفات پائی تو ام عطیہؓ نے دیگر خواتین کے ساتھ مل کر انہیں آخری غسل دیا۔ حضور ﷺ نے اوٹ میں کھڑے ہوکر خود انہیں غسل دینے کا طریقہ سکھایا۔ (بخاری، ج:1، ص:168۔ مسلم، ج:1، ص346)

صحیحین میں ہے کہ ام عطیہؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم آپ ﷺ کی بیٹی کو غسل دے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کو بیری کے پتوں اور پانی سے غسل دو۔ تین بار یا اس سے زیادہ اگر تم ضرورت سمجھو اور آخری دفعہ میں کافور بھی پانی میں ڈال لو۔ جب تم غسل دینے سے فارغ ہوجاؤ تو مجھے اطلاع دو۔" جب ہم غسل سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے اپنا ایک تہہ بند ہماری طرف پھینک دیا یہ کپڑا میت کے بدن سے لگادو۔" یعنی جسم پر لپیٹ دو۔

ایک دوسری روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے، ام عطیہؓ فرماتی ہیں "غسل دو اس کو طاق بار (تین، سات، پانچ) اور شروع کروائیں جانب سے اور وضو کے اعضاء سے۔"

غسلِ میت کے بارے میں ام عطیہؓ کی مروی یہ حدیث بہت معتبر مانی جاتی ہے۔ بڑے بڑے صحابہؓ اور تابعینؒ ان سے غسلِ میت کے مسائل اور طریقہ دریافت کیا کرتے تھے۔

متابعتِ رسول ﷺ: حضرت ام عطیہؓ کوئی کام حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر نہ کرتی تھیں، آپ ﷺ کے احکام کی پوری پوری تعمیل فرماتی تھیں۔ اس متابعتِ رسول ﷺ کے باعث صحابیات میں ان کا بڑا درجہ مانا گیا ہے۔

بیٹے کی وفات پہ صبر: خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں ان کا بیٹا کسی جنگ میں شریک تھا، بیمار ہوکر علاج کی غرض سے بصرہ بھیج دیا گیا۔ ام عطیہؓ مدینہ میں تھیں۔ خبر ملی تو نہایت عجلت سے بصرہ روانہ ہوئیں لیکن ان کے وہاں پہنچنے سے ایک یا دو روز قبل بیٹا وفات پاچکا تھا ان کے شدتِ غم کا اندازہ ہر ماں لگاسکتی ہے لیکن وہ صرف اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھ کر خاموش ہوگئیں۔ کوئی نوحہ بین نہ کیا بلکہ تیسرے دن خوشبو منگا کر ملی اور فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے شوہر کے علاوہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کیا جائے۔''

فرزند کی موت پہ بھی حضور ﷺ کے فرمان کو مقدم رکھا اور الحاعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پایا۔

وفات: حضرت ام عطیہؓ کی زندگی سے متعلق زیادہ تفصیلات کتب سیر میں نہیں ملتیں نہ شوہر کے بارے میں معلومات ملتی ہیں اور نہ دیگر اولاد کے بارے میں اور نہ ہی سن وفات معلوم ہے۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ بیٹے کی وفات کے بعد انہوں نے بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی (اسد الغابہ: ج5،ص603)

فضل وکمال: محدثین نے روایتِ حدیث کے لحاظ سے انہیں صحابہؓ کے چوتھے طبقے میں شمار کیا ہے۔ ان سے اکتالیس (41) احادیث مروی ہیں راویوں میں انس بن مالکؓ، ابن سیرینؒ، حفصہ بنتِ سیرینؒ، اسماعیل، عبدالملک، ام شرجیل وغیرہ شامل ہیں۔

آپؓ حضور ﷺ کے عزیز واقارب سے بھی خصوصی محبت رکھتی تھیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کبھی کبھی کھانے کے بعد قیلولہ کے لیے ان کے ہاں تشریف لے جاتے تھے (اصابہ، ج:8، ص:259)۔

میت پہ سوگ کے بارے میں ان سے منقول ہے۔

''ہم کو ممانعت کی گئی ہے کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کریں ہاں خاوند کی موت پر بیوی کو چار ماہ دس دن سوگ کرنے کا حکم ہے۔ اس دوران وہ نہ سرمہ لگائے نہ خوشبو ملے، نہ عصب (ایک یمنی چادر) کے سوا رنگا ہوا کپڑا پہنے۔''

صقارہ گرلز سائنس
اینڈ کامرس کالج منارہ، چکوال
ضرورت ٹیچنگ سٹاف خواتین (FEMALE)
(کیمسٹری، فزکس، باٹنی، زوالوجی، اسٹیٹسٹکس، اکنامکس، ریاضی، کمپیوٹر سائنس، ایم کام)
تعلیمی قابلیت:۔ M.Sc.
تجربہ کار خواتین کو ترجیح دی جائے گی۔ ٹیچرز کیلئے ہاسٹل کی سہولت موجود ہے۔
رابطہ: 0341-0642642 & 0543-562200

طب

امراض معدہ کے لیے ایک نسخہ

حکیم عبدالماجد اعوان سرگودھا

المرشد کے پچھلے شمارے میں سیب کی افادیت اور استعمال کے بارے میں ہمارا مضمون ختم ہو چکا ہے۔ اب ہم اپنے قارئین کے لیے اپنے مضمون کے آخر میں کے اپنے خاندانی نسخہ جات سے جو نسل در نسل ہمارے معمولات مطب میں رہے ہیں ہم انہیں قارئین تک پہنچاتے رہیں گے۔ اس سلسلہ کی پہلی کاوش ایک ایسے مرض کا نسخہ ہے جو کہ تقریباً ہر گھر کا مسئلہ ہے۔

ھوالشافی

پوست ہلیلہ زرد 10 تولہ، پوست بہیڑہ 10 تولہ، آملہ 5 تولہ، زیرہ سفید 5 تولہ، کالی مرچ 2-1/2 تولہ، سونڈھ 2-1/2 تولہ، الائچی موٹی 2-1/2 تولہ، مگھاں 2-1/2 تولہ، نمک سیاہ 2-1/2 تولہ، سونف 10 تولہ، اجوائن 10 تولہ، نوشادر 1-1/4 تولہ، نمک سانبھر 2-1/2 تولہ، جوکھار 1-1/2 تولہ۔

ترکیب تیاری:۔ تمام ادویات کو باریک پیس کر چھان کر کسی شیشے کے مرتبان میں محفوظ کرلیں۔

مقدار خوراک: ایک چھوٹا چائے کا چمچہ کھانے کے بعد استعمال کریں پیٹ درد کے لیے نیم گرم پانی کے ساتھ استعمال کریں۔

فائدہ:۔ کھانے کو ہضم کرتا ہے پیٹ میں پیدا ہونے والی گیس ٹربل کے لیے انتہائی موثر ہے پیٹ کی ریح درد کے لیے مفید ہے۔ معدہ کو تقویت دیتا ہے۔ اپھارہ کے لیے مفید ہے۔

احتیاط:۔ ہائی بلڈ پریشر کے مریض کے لیے اس کا استعمال مفید نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں کے ساتھ شفقت:

حضرت رافع بن عمرو غفاریؓ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں اور ایک دوسرا لڑکا انصار کی کھجوروں کو پتھر مار کر گرایا کرتے تھے۔ جن صاحب کا باغ تھا وہ شکایت لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلوایا، جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

''لڑکے! تم کھجوروں کو پتھر کیوں مارتے ہو؟''

میں نے عرض کی کہ میں انہیں گرا کر کھالیتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پتھر پھینک کر نہ گرایا کرو، البتہ نیچے گری ہوں ہوتو اسے کھالیا کرو۔'' یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا ''اے اللہ! اسے شکم سیر کردے۔'' (ابوداؤد، کتاب الجہاد)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کا معمول تھا کہ جب وہ فصل کا پہلا پھل حاصل کرتے تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پکڑ کر فرماتے:

''اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت دے، ہمارے شہر میں برکت دے۔ ہمارے ناپ تول کے پیمانوں میں برکت دے، برکت در برکت دے۔''

پھر سب سے چھوٹے بچے کو بلا کر اسے وہ پھل عنایت فرمادیتے۔ (صحیح مسلم)

حضرت ام خالد بنت خالد بن سعید بن عاصؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ ملبوسات آئے۔ ان میں سیاہ رنگ کا ایک ریشمی اور دھاری دار کپڑا تھا۔ ام خالدؓ تب چھوٹی بچی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ تمہارے خیال میں مجھے یہ کسے پہنانا چاہیے؟ صحابہ کرامؓ خاموش رہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُم خالدؓ کو میرے پاس لاؤ۔ اُم خالدؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اسے اُم خالدؓ کو پہنایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنہ سنہ۔ حبشی زبان میں اس کے معنی ہیں ''خوب خوب'' اُم خالد فرماتی ہیں کہ پھر میں جا کر مہر نبوت سے کھیلنے لگ گئی۔ اس پر میرے والد نے مجھے ڈانٹا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے رہنے دو۔'' پھر فرمایا:

''اللہ کرے تو اسے تادیر پہنے، اللہ کرے تم اسے تادیر پہنتی رہو، اللہ کرے تم اسے تادیر پہنتی رہو۔''

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ وہ اتنی عمر زندہ رہیں کہ لوگوں میں اس کا چرچا ہوتا رہا۔ (صحیح بخاری، کتاب الطادب)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں کے ساتھ محبت وشفقت کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ حضرت اُسامہ بن زیدؓ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایک ران پر بیٹھا لیتے اور حضرت حسن بن علیؓ کو دوسری ران پر بیٹھا لیتے تھے پھر دونوں کو گلے سے لگا لیتے اور فرماتے،

''اے اللہ! میں ان پر شفقت کرتا ہوں، تو بھی ان پر مہربانی فرما۔''

حضرت ابوہریرہؓ ہی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازار بنی قینقہ میں تشریف لے گئے۔ بازار سے واپس تشریف لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں آئے اور نیچے بیٹھ کر فرمایا، ماڑو کہاں ہے ماڑو کو میرے پاس لاؤ حضرت حسنؓ تیزی سے بھاگتے ہوئے آئے اور گود میں چھلانگ لگادی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ مبارک اُن کے چہرہ مبارک کو لگایا اور تین دفعہ فرمایا:

''اے اللہ! مجھے اس سے محبت ہے، تو بھی اس سے محبت فرما، اور جو شخص اس سے محبت رکھتا ہے اس سے بھی محبت فرما۔''

بہت سے اسے واقعات بھی ملتے ہیں جن میں بچوں کے والدین اپنا بیمار بچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بچوں کے لیے دُعا بھی فرمائی اور اُن کے والدین کو طریقہ علاج بھی

بتایا۔ ان طریقہ علاج سے اُن بیمار بچوں کو تو شفا ہوئی ہی لیکن اُمت کے لیے بھی شفایاب ہونے کے وہ نایاب نسخے بن گئے۔

حضرت اُم قیس بنت محصنؓ اپنا ایک بیٹا جو ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا نبی اکرم ﷺ کے پاس لائیں۔ انہوں نے اس کے حلق میں دانہ کی وجہ سے کپڑا باندھ رکھا تھا یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنے بچوں کو گلا دبا کر انہیں تکلیف کیوں پہنچاتی ہو؟ تم عود ہندی استعمال کیا کرو۔ اس میں سات بیماریوں کا علاج ہے۔ ان میں سے ایک بیماری نمونیہ ہے۔" (صحیح بخاری)

آپ ﷺ اپنے چچا حضرت عباسؓ کے بیٹوں حضرت عبداللہؓ، حضرت عبید اللہؓ اور حضرت کثیرؓ کو قطار میں کھڑا کرتے اور انہیں کہتے جو تم میں سے دوڑ کر میرے پاس پہلے پہنچے گا، اسے یہ یہ چیز ملے گی۔" وہ دوڑ لگاتے ہوئے آپ ﷺ کے پاس آتے اور آپ ﷺ کی کمر مبارک اور سینہ مبارک پر آ گرتے۔ آپ ﷺ انہیں بوسہ دیتے اور انہیں گلے لگاتے (مسند احمد)

حضرت عبید بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت حسنؓ، حسینؓ کو دم کرتے ہوئے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

ترجمہ: "میں ہر شیطان اور زہریلے جانور اور نظر بد سے اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں۔" (صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء)

حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ظہر ادا کی، پھر آپ ﷺ اپنے گھر کی طرف گئے۔ میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ چلا۔ سامنے سے کچھ بچے آتے ہوئے ملے، آپ ﷺ ان کے رخساروں پر ایک ایک کر کے ہاتھ پھیرنے لگے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے میرے رخسار پر ہاتھ لگایا تو مجھے آپ ﷺ کے دستِ مبارک سے خوشبو اور ٹھنڈک اس طرح محسوس ہوئی گویا آپ ﷺ نے اسے کسی عطر فروش کے تھیلے سے نکالا ہو۔ (صحیح بخاری)

حضرت سائبؓ بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئیں اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے اس بھانجے کو درد رہتا ہے۔ آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے وضو کیا۔ میں نے آپ ﷺ کے وضو سے باقی ماندہ پانی پی لیا اور آپ ﷺ کی پشت مبارک کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے آپ ﷺ کے دونوں شانوں مبارک کے درمیان مہر نبوت کا دیدار کیا، وہ ایک پرندے کے انڈے کی مانند تھی۔

نبی کریم ﷺ بچوں کی صفیں آخر میں بنوایا کرتے تھے اور انہیں صفیں سیدھے رکھنے کو فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے ہمارے کندھوں کو بھی ہاتھ لگاتے اور فرمایا کرتے تھے۔

"سیدھے ہو جاؤ، آگے پیچھے نہ ہوا کرو، وگرنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔" (جاری ہے)

ضرورت میل سٹاف صقارہ سائنس کالج دار العرفان منارہ

M.A.Msc B.A.Bsc ڈگری ہولڈرز، محنتی، قابل اور تجربہ کار اساتذہ کی ضرورت ہے

کیمسٹری۔ فزکس۔ بیالوجی۔ ریاضی۔ انگلش۔ اُردو۔ کمپیوٹر۔ اکاؤنٹنٹ

میس انچارج، تجربہ کار پی ٹی آئی یا آرمی سے ریٹائرڈ فزیکل انسٹرکٹر کی ضرورت ہے

(1) تجربے کے بنیاد پر پرکشش تنخواہ دی جائے گی (2) رہائش اور کھانے کی سہولت فراہم کی جائے گی

پرنسپل: اختر حسین ملک رابطہ 0313-6919797 0543-562222

سفرنامہ

غبارِ راہ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

مضمون اُدھورا چھوڑ دیا تھا۔ اس لئے کہ میں تھک چکا تھا اور سر درد کرنے لگا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ کھانا بھی کھانا تھا جو جہاز میں تقسیم ہونے لگا مگر ہمارے ساتھ لندن کے دوستوں نے گھر سے پکا کر دے دیا تھا، لہٰذا تہذیبِ مغرب کے حلال سے بچ ہی گئے، یہ تو امریکن کمپنی تھی۔

خود لندن کے مسلمان جو سب سے بہتر حلال کرتے ہیں، اُس کا طریقِ کار یہ ہے کہ کنویں کی ماہل کی طرح سے ایک زنجیر اُوپر سے نیچے کو اُتر رہی ہوتی ہے۔ اُوپر مرغ لٹکانے والے کھڑے ہوتے ہیں جو ایک ایک مرغ کی ٹانگیں اس کے کنڈوں میں پھنساتے جاتے ہیں اور یوں کنویں کے لوٹوں کی جگہ مرغ اُلٹے لٹکے آرہے ہوتے ہیں۔ نیچے ذبح کرنے والا آدمی کھڑا ہوتا ہے جس کے سامنے سے مرغ گزرتے ہیں تو وہ فوراً چھری پھیرتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ مشین تو رکتی نہیں لہٰذا وہ جلدی جلدی بس ایک ہی بار چھری چلاتا جاتا ہے اور تڑپتے پھڑکتے مرغ زنجیر میں بندھے گرم پانی کے ٹب میں ڈوب جاتے ہیں۔ وہاں سے نکلتے ہی دوسری مشین لے لیتی ہے جو کھال کھینچ کر پیٹ بھی صاف کر کے سٹور روم میں پہنچاتی چلی جاتی ہے اور خالی کنڈے نئے مرغوں کو لینے چلے جاتے ہیں۔ پتہ نہیں کس کے حصے میں کتنی تکبیر آتی ہے اور رگیں بھی کٹتی ہیں یا کوئی رہ جاتی ہے؟ نیز خون کے مکمل اخراج کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جو ذبح کا اصل مقصد ہے۔ آگے اندازہ خود کر لیجیے!

یا پھر مسلمان ''کوشر'' کھا لیتے ہیں جو یہود کا ذبح ہے اور حلال جان کر کھاتے ہیں۔ مگر پتہ کرنے پر ظاہر ہوا کہ یہودی تو سبزی، آٹا، دودھ، روٹی ہانڈی وغیرہ سب کچھ ''کوشر'' کرتے ہیں۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ چیز بنا کر رکھ لیتے ہیں۔ دودھ دھو کر یا کھانا بنا کر، یا مرغ کاٹ کر یا جانور کاٹ کر، اور پھر ان کا ربی یعنی ''پیر'' آتا ہے اور ہر چیز کو چھڑی سے مس کرتا جاتا ہے، ساتھ عبرانی میں کچھ پڑھتا جاتا ہے۔ غالباً بسم اللہ ہی کا متبادل ہوتا ہوگا اور وہ چیز کوشر یعنی حلال ہو جاتی ہے۔ یہ حلال بہت عام استعمال ہوتا ہے مگر ذرا دوسرے درجے کا ہے اور اس سے آگے تو بقول ایک خالصہ کے ''بھائی جی! موجاں''۔ سب کچھ ہی ایک طرح کا ہوتا ہے۔ اگر گوشت مرغ کا ہو تو پکانے میں خنزیر کی چربی استعمال کریں گے اور سب کچھ پکانے اور کھانے کے برتن بھی ایک ہی ہیں اور گورے کالے ہاتھ بھی ایک جیسے۔ لہٰذا جہاز میں نہ کھانا ہی عافیت ہے۔ یا پھر ساتھ کچھ رکھ لیا جائے۔ یہ مسلمان ہوائی کمپنیوں کے علاوہ تو از حد ضروری ہے۔

اپنی ہوائی کمپنیاں کیا کرتی ہیں؟ تو گوشت تو وہ بھی درآمد شدہ ہی استعمال کرتی ہیں، سوائے PIA کے۔ خدا جانے PIA والے کیسے ذبح کرتے ہیں۔ کبھی کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ ویسے آدمی چاول وغیرہ یا مچھلی تو مسلمان ہوائی کمپنیوں میں کھا ہی سکتا ہے۔ مگر غیر مسلم کمپنیوں کا حال عجیب ہے۔

تیسری وجہ یہ ہوئی کہ جہاز کچی سڑک پر آ گیا تھا، جی ہاں! ہوائی جہاز کچی سڑک پر، وہ یوں کہ جب راستے میں بادل اور ہوائی طوفان آتے ہیں تو جہاز اسی انداز سے جھٹکے کھاتا ہے جس انداز سے موٹر کچی سڑک پر اور طرح طرح کی آوازیں بھی باڈی کے ایک ایک جوڑ سے نکلتی ہیں، تو ایسے میں بھی لکھنا ممکن نہیں رہتا۔ لہٰذا اب پھر وہاں سے بات شروع کرتے ہیں جہاں بات چھوڑی تھی۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ مسلمان ایک بہت بڑی غلط فہمی کا شکار

ہو چکے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اگرچہ قرآن حکیم میں ذکرِ الٰہی کی بہت زیادہ تاکید بھی آئی ہے اور ہر حال میں ذکر کرنے کا حکم موجود ہے۔ مگر آج کے حضرات کی تشریحات کے مطابق شریعت کے مطابق عمل کرنا ہی ذکر ہے۔ لہٰذا ساری عبادات بھی ذکر ہیں اور جائز کام بھی، اگر کوئی کسر رہ گئی تو ہر آدمی مختلف تسبیحات پڑھتا ہے۔ چلو! مقصد حل ہوا۔ مگر میں یہاں خود کو متفق نہیں پاتا بلکہ میری کمزور رائے بالکل الگ ہے۔ متقدمین سے نہیں، دورِ حاضرہ کے ان حضرات سے جو مندرجہ بالا خیال کے حامی، داعی اور مبلغ ہیں۔

میرا خیال یہ ہے کہ ذکر سے مراد۔ ذکرِ اسمِ ذات ہے اور وہ بھی ذکرِ قلبی، اگر یہ نعمت نصیب ہو تو باقی اذکار یعنی تسبیحات، عبادات اور اعمال میں رُوح پیدا ہو جاتی ہے جان پڑ جاتی ہے۔ ورنہ محض ظاہر ہوتا ہے بغیر کسی کیفیت کے جیسے بادام بغیر مغز کے۔ اور یہ بہت بڑی بات ہے جو میں کہہ گزرا ہوں مگر دلائل اسی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ آیئے! آپ بھی میرے دلائل کا جائزہ لے لیں۔ پھر فیصلہ آپ کا اپنا ہوگا کہ میں کسی پر فیصلہ مسلط کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔

تو صاحب! یہاں زیادہ تفصیل کا وقت نہیں ہے، لہٰذا فرائض پہ بات کرتے ہیں۔ بہت بڑا فریضہ صلوٰۃ ہے جسے قرآن حکیم نے ذکر قرار دیا ہے اور فرمایا:

''جب جمعہ کی نماز کے لئے پکارا جائے تو کاروبار
بند کر کے اللہ کے ذکر کی طرف فوراً پہنچو!''

مگر پھر ارشاد ہوتا ہے، جب نماز ختم کر چکو تو اپنے کاروبار میں لگ جاؤ، مگر اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو کہ کامیابی حاصل کر سکو۔ تو بے شک نماز بھی ذکر ہے مگر اس کے علاوہ ذکرِ کثیر مطلوب ہے کہ خود نماز میں بھی مقصدِ نماز یا کامیابی حاصل ہو۔ اس کے بعد اہم فریضہ حج ہے جو زندگی میں صاحبِ استطاعت پہ ایک بار فرض ہے۔ اس کے تمام ارکان ادا کرنے کے ساتھ ذکرِ کثیر کا حکم موجود ہے۔

جہاد ایک اعلیٰ ترین اور کامیابی کا واضح راستہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے، جب کسی لشکر سے مقابلہ ہو، جم کر لڑو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو۔ یاد رہے! اسلام صرف فتح کو کامیابی نہیں سمجھتا، بلکہ اگر کبھی دشمن بھی جیت جائے تو غازی یا شہید کی صورت میں مومن کامیاب رہتا ہے، جبکہ عمل خلوصِ نیت سے کر رہا ہو اور یہ خلوصِ دل کی کیفیت کا نام ہے جو ذکرِ کثیر سے نصیب ہوتی ہے۔

ایک اور بہت اہم فریضہ ہے تبلیغ۔ اور یہ ایسا عظیم الشان امر ہے کہ ربِ کریم نے امتِ مرحومہ کے خیر امۃ ہونے میں اس کو ایک سبب گردانا ہے کہ تم بہترین اُمت ہو جو دوسروں کی بھلائی کے لئے کمربستہ ہو۔ اور نیکی پھیلانا، برائی سے روکنا اور اللہ پر یقین واعتماد تمہاری خصوصیات ہیں۔ ورنہ پہلے جب ضرورت پیش آتی، نیا نبی مبعوث ہو جاتا۔ مگر نبی اکرم ﷺ کی بعثت پر جس قدر عطا یا انسان پاسکتا تھا، بارگاہِ الوہیت سے عطا کر دیئے گئے اور مقصدِ نبوت اپنے کمال کو پہنچا۔ نبوت کی ضرورت باقی نہ رہی۔ تو یہی مسئلہ ختمِ نبوت ﷺ کہلاتا ہے۔ جس پر بہت بحثیں ہوتی ہیں حالانکہ سمجھنے کے لئے بالکل صاف بات ہے۔

اب ان انعامات کو انسان تک پہنچانے کا کام تو ہمیشہ باقی رہنا تھا لہٰذا یہ نعمت اُمتِ مرحومہ کو عطا ہوئی اور اسی کا نام تبلیغ ہے۔ مگر میری رائے میں جو کثرتِ ذکر کی نعمت سے محروم ہیں، ان کی تبلیغ بھی اثر سے محروم اور کیفیات سے خالی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ قرآن حکیم میں موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ موجود ہے۔ جب وہ معبوث ہوئے اور ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا ہوئی تو فرعون کی طرف جاتے ہوئے جب انہوں نے عرض کیا کہ بارِالٰہ! میں تو فرعون کی طرف سے پہلے ہی مجرم گردانا جا چکا ہوں اور اُس نے میرے قتل کے احکام دے رکھے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بات سننے سے پہلے ہی اس کے ظلم کا شکار ہو جاؤں اور بات ہی نہ پہنچا سکوں۔ تو کتابِ الٰہی میں تین باتیں ملتی ہیں۔ اوّل یہ کہ، آپ دونوں کے ساتھ میں ہوں، سب کچھ دیکھ رہا ہوں اور سن رہا ہوں، یعنی آپ دونوں حضرات کو اللہ کی معیت حاصل ہے۔ لہٰذا فرعون کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

دوسرے فرمایا کہ آپ دونوں بات بہت نرم اور پیارے انداز میں کیجئے گا۔ اگرچہ وہ ظالم، متکبر، بدترین کافر ہے مگر آپ کی شان تو اپنی ہے۔

''اگر فرعون سے بات کرنے کا یہ انداز ہے تو مسلمان کو نصیحت کرنے کے لئے مساجد میں تماشا کیوں؟ ایک کی داڑھی دوسرے کے ہاتھ میں اور دوسرے کے بال پہلے کی مٹھی میں! میرے خیال میں یہ عدم ذکر کے نتائج ہیں۔''

اور تیسری بات جو ارشاد فرمائی وہ قابل توجہ ہے، فرمایا:'' ولا تنیافی ذکری '' آپ دونوں کی طرف سے میرے ذکر کی طرف توجہ میں کمی نہ آئے۔ سبحان اللہ! ذرا اندازہ کیجئے! انبیاء کا قلب کبھی ذکر سے فارغ نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ بات نہیں فرمائی کہ ذکر مت چھوڑیں، فرمایا، ذکر کی طرف توجہ کم نہ ہو۔

اس کا مفہوم یہی ہے کہ آدمی دو کام بیک وقت کر رہا ہو تو ایک ہی کو بھرپور توجہ دے سکتا ہے اور دوسری طرف توجہ نسبتاً کم ہوتی ہے۔ جیسے ہم کار چلا رہے ہیں تو دو طرف کام ہو رہا ہوتا ہے۔ ہاتھ پاؤں بھی مصروف ہوتے ہیں اور راستے پہ بھی نگاہ ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے راستے کی طرف دیکھنے کو ہم بھرپور توجہ دیتے ہیں۔ اتنی توجہ ہم ہاتھ پاؤں کو نہیں دیتے، اگرچہ دیتے ضرور ہیں، تبھی کام کرتے ہیں۔

وہی حال یہاں ہے کہ قلب بھی ذاکر ہے اور فرعون کو تبلیغ بھی جاری ہے تو فرمایا، توجہ کا اوّل درجہ میرے ذکر کو حاصل ہو اور دوسرا درجہ فرعون سے بات کرنے کو۔ اور یہی مفہوم کثرتِ ذکر کے اختیار کا حکم پڑھ کر حاصل ہوتا ہے کہ جہاں عدمِ ذکر کا امکان ہے وہاں کثرتِ ذکر کا حکم ہے۔ اور یاد رہے! سوائے ذکرِ قلبی کے کثرت سے ذکر نہیں ہو سکتا۔ بھلا جہاد میں چند نعرہ ہائے تکبیر کو کثرتِ ذکر قرار دینا کہاں کی دانشمندی ہے؟ اور کاروبارِ حیات میں ذکرِ قلبی کے علاوہ کثرتِ ذکر کی صورت بن ہی نہیں سکتی۔ نہ ہی وہی کوئی عمل ذکرِ الٰہی کا مستقل متبادل قرار دیا جا سکتا ہے۔

ہاں! ذکرِ قلبی نصیب ہو تو پھر تسبیحات پڑھی جائیں، نماز ادا ہو، حج نصیب ہو، جہاد کا موقع ملے یا تلاوت، ہر عمل الگ لذت دیتا ہے۔ ذوقِ جنوں تیز تر ہوتا ہے۔ جمال باری کی طلب پیدا ہوتی ہے۔ ذات باری نظر نہیں آتی مگر انسان اس کو، اس کے حسنِ بے مثال کو دیکھتا ہے۔

اب ایک آخری بات، کہ کیا ذکرِ الٰہی سب کے لئے ضروری ہے؟ تو صاحب تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے واجب لکھا ہے اور کوئی قرب الٰہی کے کسی درجہ پر فائز ہو، پھر بھی ذکر کرنا اس کی ضرورت ہے، چنانچہ:

''یہ آیہ کریمہ، جو براہ راست نبی اکرم ﷺ کو خطاب فرما کر ارشاد ہوئی یہی تقاضا کرتی ہے کہ جب آپ ﷺ کو حکم ہے کہ اپنے ربّ کے نام کا ذکر کیجئے اور اس حد تک کہ مخلوق نگاہ میں نہ رہے، صرف اللہ کی ہی ذات رہ جائے۔ تو دوسرا کون مستثنیٰ ہو سکتا ہے؟''

اگر اس آیہ کریمہ کے سباق پہ نگاہ ہو تو پتہ چلتا ہے کہ ارشاد ہوتا ہے راتوں کو اٹھا کیجئے، آدھی رات یا کم وبیش، مگر رات خالی نہ جائے، بیشک دن بھر آپ بہت مجاہدہ کرتے ہیں اور ہر صبح نئی مشقتیں لے کر آپ پر طلوع ہوتی ہے۔ نیز فطرتِ انسانی ہے کہ ویسے بھی شب بیداری بہت مشکل کام ہے۔ مگر رات کی بات مزہ دے جاتی ہے۔ جب لوگ نیند کی آغوش میں بے سدھ پڑے ہوں تو طالبِ جمال، ذاتِ باری سے سرگوشیاں کر رہا ہو۔ اس کا اپنا ایک لطف ہے۔ لہٰذا آپ راتوں کو اٹھا کریں، بڑے لطف سے تلاوت کریں اور پھر اسم ذات کی تکرار فرمایا کریں کہ قربِ الٰہی کی کوئی انتہا نہیں۔ ہر آن آپ کو ترقی نصیب ہوتی ہے اور ہر آن ذکر بھی ضروری۔ لہٰذا:

''یہ بمنزلہ روح کے ہے جس کے بغیر سب محنت اکارت جانے کا خطرہ ہے اور یہی ہمارا قومی المیہ ہے۔ ذرائع ابلاغ بہت وسیع، تبلیغ بہت زیادہ، نمازی، حاجی اور روزہ دار موجود، چلّے لگائے جا رہے ہیں۔ مگر قوم ہے

کہ اسے کوئی نسخہ اثر ہی نہیں کرتا۔ اور مرض بڑھتا گیا
جوں جوں دوا کی، نظروں کے سامنے ہے۔''

لہٰذا میری گذارش فقط اتنی سی ہے کہ دن رات کی مصروفیات میں سے کچھ لمحے محض ذکرِ الٰہی کے لئے بھی ضرور نکالئے۔ یہ اعتراض کہ فلاں طریقے سے ذکر کریں اور فلاں سے نہ کریں، بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ ذکر کا طریقہ معیّن نہیں۔ اسباب اور حالات کے مطابق ہر ایک کی صوابدید پر ہے، کہ ارشاد ہے: کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ہاں! کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا صحیح نہ ہوگا جس سے شریعت نے منع کر دیا ہو۔ لہٰذا مختلف سلاسلِ تصوف میں مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ مگر راستے مختلف بھی ہوں، منزل سب کی ایک ہے کہ دل ذاکر ہو جائے اور ذکرِ قلبی نصیب ہو کہ ہر حال میں اللہ، اللہ ہوتی رہے۔

یہ تھا بیان کا خلاصہ، جو مجھے یاد رہ سکا اور پھر ماموں جان کے ہاں ہماری دعوت تھی۔ وہ مدت سے برطانیہ میں مقیم ہیں اور تن تنہا رہتے ہیں۔ انہوں نے خالص دیسی انداز میں بھرپور دعوت پکائی اور ہم چند لقموں پہ گزارا کرنے والے لوگ کتنا کچھ کھا سکتے تھے، مگر بہت لطف آیا۔ اللہ کریم انہیں خوش رکھے اور دین پر عمل کی ہمت ارزاں فرمائے۔

پھر دو جگہ قیام تھا، ساتھی اپنی قیام گاہ چلے گئے اور میں اپنی منزل پر روانہ ہوا جو وہاں سے ایک گھنٹہ کی ڈرائیو تھی، شہر کے اندر ہی اندر، اور شہر اس سے بہت زیادہ وسیع ہے سینکڑوں میلوں میں پھیلا ہوا۔ اپنی آغوش میں کیا کیا لئے بیٹھا ہے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، لب پہ آ سکتا نہیں
جو یہاں ہوتا ہے سب دیکھا بھی جا سکتا نہیں

حق یہ ہے کہ تہذیبِ مغرب کا اصل چہرہ دیکھنے کی ہمت ہم میں نہیں۔ جو خدوخال برلبِ سڑک مجبوراً دیکھنا پڑتے ہیں وہ اگرچہ اصل سے بہت کم ہیں مگر سارے لکھے نہیں جا سکتے۔ اور جو کم از کم لکھا ہے اسے کاٹ رہا ہوں کہ پڑھنے والے برداشت نہ کریں گے، نہ میں خود ایسا مواد پڑھنے کے لئے دینے کی ہمت رکھتا ہوں۔ اگرچہ مغرب کے شیدائیوں کو یہ آئینہ دکھانا بہت ضروری تھا۔

اور یہ ادنیٰ سی جھلک ہے۔ نہ میں لکھ سکتا ہوں نہ آپ پڑھ سکتے ہیں اور پڑھنے والے بھی شاید کہہ اُٹھیں کہ وعظ کی محافل میں یہ کیا غلاظت اچھال رہے ہو۔ مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ پاکستانیوں کو اس دلدل میں غرق ہونے سے پہلے بتا سکوں کہ یہ کتنی گہری ہے۔ ممکن ہے کوئی جانے سے باز آ جائے۔

میں کوئی بارہ بجے اقامت گاہ پہنچا تو ایک ڈاکٹر صاحب منتظر تھے۔ انہیں ذکر کرایا۔ پھر ایک خاتون اپنی دو بچیوں کو ساتھ لے کر آئی تھیں، اُن کی بات سنی۔

بچی کا مسئلہ یہ تھا کہ سائنسدان کہتے ہیں کوئی اللہ نہیں ہے۔ ایک جرثومہ تھا جو اَب نہیں، اُس وقت موسم اور حالات کے ساتھ اس میں تبدیلی آنی شروع ہوئی اور مختلف صورتوں سے گزر کر انسان بن گیا۔ جب مرتا ہے تو ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل کے طور پر ان کے پاس وہ جرثومہ اور مختلف اشیاء اور تصاویر ہیں جو بہت بڑا ثبوت ہیں۔ ہم مقابلے میں کہتے ہیں، ''نہیں! یہ سب اللہ نے بنایا۔'' تو کہتے ہیں اس کا ثبوت کیا ہے؟ کس نے دیکھا، کہاں سے آیا، کیا ہم دیکھ سکتے ہیں؟

یہ سوال کا خلاصہ تھا۔

میں بہت تھک چکا تھا، جسم سے ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں مگر یہ سوال سن کر نیند اُڑ گئی اور اپنی بے علمی کے باوجود جواب دینا ضروری سمجھا۔ جس کا مفہوم ہی اب آپ کو سنا سکتا ہوں اور یہ سوال مجھے ہلا کر رکھ دینے کے لئے کافی تھا کہ میں اب تک اخلاقی پستیوں کا رونا روتا رہا مگر یہاں تو عقیدے اور ایمان کی تباہی کا ہیبت ناک منظر سامنے تھا۔ اس کی والدہ نے کہا:

''یہ بات میرا لڑکا بھی ہر ایک سے کہتا ہے کہ خدا کہاں ہے؟ یہ سب فضول باتیں ہیں۔ اگر کوئی ثبوت ہے تو بتاؤ!''

بہرحال میں نے کہا:

''جواب تو بڑا مختصر سا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا ہے کہ اللہ ہے، واحد اور لاشریک ہے۔ وہ اکیلا خالق ہے اور سب کائنات اس کی مخلوق ہے۔''

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھلا ہم آپ ﷺ کی بات کیوں مانیں؟ تو یہی سوال سائنس پر بھی وارد ہوتا ہے کہ ہم ان کی بات کیوں مانیں؟ تو آپ یہی کہیں گی انہوں نے ثابت کر دیا ہے، تجربات اور نتائج سامنے ہیں۔

مگر ان نتائج تک پہنچنے کے لئے آپ نے بارہ سال تعلیم حاصل کی ہے۔ اگر آپ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کے حصول میں بھی وقت لگائیں تو بات یقیناً آپ کے دل میں اُتر جائے۔ کیا آپ کی سائنسدانی کسی اَن پڑھ کے لئے کوئی حیثیت رکھتی ہے؟ اگر نہیں، تو آپ بھی دین کے میدان میں ایسی ہی جگہ پر کھڑی ہو کر بات کر رہی ہیں۔ بھلا یہ جرم (Germ) جو ترقی کر کے آدمی بنا، کس نے بنایا؟ اور اگر کوئی اس کا خالق ہے تو اُسے کس نے بنایا؟ پھر یہ سوال جاری رہے گا تاوقتیکہ کوئی ایسا وجود سامنے آئے جس کو کسی نے نہ بنایا ہو، بلکہ اپنی ذات سے قائم ہو اور زمانے تک خود اس کی ذات سے وابستہ ہوں۔ وہ کسی ذات کا محتاج نہ ہو۔

اگر یہ سرا نہ ملے تو دوسرا کوئی جواب ہی نہیں، اور اگر یہی جواب ہے تو یہ ہستی اللہ ہے۔ آپ نے سائنس پڑھی، تو اللہ کا کلام جو اُس نے اپنے رسول ﷺ پہ نازل فرمایا، پڑھیں یہ بات کہ ''یہ کتاب، اللہ کا کلام ہے۔'' بجائے خود بہت بڑا چیلنج ہے کہ اس کتاب کا پہلا جملہ ہی یہ ہے کہ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ اب تو کفر کے لئے ایک کام کرنا تھا کہ قرآن کی کسی بھی خبر، کسی بھی کلیے، یا بات کو غلط ثابت کر کے بتا دیتا کہ اللہ کا کلام نہیں۔ مثلاً قرآن نے سائنس کے موضوع پر بات کی تو وجودِ انسانی کی تخلیق کے وہ مراحل ارشاد فرمائے جو صدیوں بعد سائنس کی سمجھ میں آسکے اور تحقیقِ جدید صرف اس کی تصدیق کر سکی کہ کیسے اور کتنے عرصہ میں خون کی پھٹکی، پھر گوشت کا لوتھڑا، پھر جسمانی ساخت اور ہڈیاں، پھر اُن پر کھال، گوشت وغیرہ چڑھتا ہے اور بچہ مکمل ہو کر اس میں جان پڑتی ہے۔ اُس وقت کوئی ایکسرے مشین اور ٹیسٹ ٹیوب نہ تھی۔

اسی طرح عملی دنیا میں قرآن کی پیشگوئیاں، روم کی تباہی، اُن دنوں سب کے سامنے تھے۔ قرآن نے ان کے دوبارہ غلبے کی خبر دی جو بظاہر ناممکن تھی، مگر ایسا ہو کر رہا۔ مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر رہے تھے، قرآن نے خبر دی کہ اللہ آپ کو اس شہر پر قبضہ دلائے گا۔ کیا یہ بظاہر ممکن نظر آتا تھا؟ ہرگز نہیں! مگر ایسا ہو کر رہا۔ قرآن نے خیبر کی فتح کی خبر حدیبیہ میں دی، جبکہ بظاہر مقابلہ ممکن نظر نہ آتا تھا مگر ایسا ہو کر رہا۔

قرآن نے اُس عہد میں خبر دی کہ ہر شے میں جوڑے جوڑے پیدا کئے گئے ہیں۔ سائنس بعد میں اس جگہ پہنچی کہ نباتات میں بھی نر و مادہ ہیں اور صدیوں بعد ایٹم سے پتہ چلا کہ اس کے اندر مثبت اور منفی طاقت کا جوڑا ہے۔ اگر یہ اللہ کا کلام نہ تھا تو کوئی ایک بات، یا اس کا کوئی پہلو جھٹلا کر ثابت کیا جا سکتا تھا مگر ایسا نہ ہو سکا اور نہ ہو سکے گا، لہٰذا:

> ''جہاں تک آخرت کا سوال، یا ذاتِ باری پہ ایمان ہے وہ اس کو مان کر کیوں نہ لایا جائے؟ جبکہ سائنس کے پاس اس موضوع پر کوئی خبر ہی نہیں اور محض انکار ہے۔ کیا اندھے کے انکار سے روشنی کو جھٹلایا جا سکتا ہے؟''

اور اسلام کا یہ دعویٰ کہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الفتح:28) کہ آپ ﷺ کو مبعوث ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ دینِ حق تمام ادیانِ باطلہ پر غلبہ حاصل کرے۔ کیا اُس دور کے تاریخی پس منظر کے اعتبار سے کوئی معمولی بات ہے؟ ہرگز نہیں! ہر طرف ظلم و جور اور کفر و شرک نے تباہی مچا رکھی تھی اور فحاشی اور اخلاقی بے راہروی اُن حدوں کو چھو رہی تھی جن کا تصور محال ہے۔

کیا یہ تاریخی حقیقت نہیں کہ نزولِ کتاب کے تکمیل کے بعد ربع صدی کے اندر اندر دنیا سے کفر کی ظلمت مٹ کر نورِ توحید پھیل چکا تھا

اور بڑے بڑے جابر وظالم جن میں قیصر وکسریٰ جیسے بظاہر بہت ہی طاقتور حکمران شامل تھے، اپنے ظلم کی بساط لپیٹ کر صفحہ ہستی سے رخصت ہو چکے تھے۔ عدل وانصاف اور امن وسکون کا وہ سماں کہ چشمِ فلک نے اس کی نظیر نہیں دیکھی اور تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ کیا اسلام کے حق پر ہونے پہ گواہ نہیں؟

آپ نے بارہ برس محنت شاقہ کر کے سائنسدان کی بات سمجھی ہے۔ اگر یہی بات اَن پڑھ سے کہو تو آپ کو بے وقوف سمجھے گا۔ اسی طرح کچھ وقت تعلیماتِ اسلام اور برکاتِ نبوی ﷺ کے حاصل کرنے میں بھی لگائیں۔ تب بات سمجھ میں آئے گی ورنہ اس اَن پڑھ کی طرح آپ دین پر عمل کرنے والوں کو احمق سمجھتی رہیں گی۔

تو اُس بچی نے کہا،

''کیا ہم اللہ کو دیکھ سکتے ہیں؟ وہ کیسا ہے، کہاں ہے؟''

میں نے کہا، بیشک! مگر حضور اکرم ﷺ پر ایمان لا کر اور آپ ﷺ سے اکتسابِ فیض کر کے۔ کہ آپ ﷺ کے معجزات کا تو شمار نہیں، میں نے تو صرف قرآن حکیم کے بھی محض چند پہلو عرض کئے ہیں، ایسے بے شمار پہلو موجود ہیں۔

اور جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے، انہیں نورِ باطن اور ایسی قلبی روشنی نصیب ہوئی کہ وہ اللہ کو روبرو پاتے تھے۔ اپنے اس قدر قریب کہ کوئی لمحہ اس کے جمال سے غافل نہ ہوتے تھے اور یہ کمال نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا۔ اور مسلمان کی عبادت کا معیار ہی آپ ﷺ نے یہ قرار دیا ہے کہ اللہ کی عبادت ایسے کر گویا تُو اُسے دیکھ رہا ہے، یا کم تر یہ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اگر تمہیں بھی کسی اللہ کے بندے کی مجلس نصیب ہو اور کسبِ حال کر سکو تو دیکھ بھی سکو گی کی نظر نہیں آتا، مگر میں اسے دیکھ رہی ہوں۔ چھو نہیں سکتی مگر وہ میرے پاس ہے، بہت ہی قریب، رگِ جاں سے قریب تر۔

بہر حال رات بیت رہی تھی۔ تقریباً ڈیڑھ بج رہا تھا اور شاید میں ساری بات نقل نہ کر سکا ہوں گا، مگر وہ بچی کافی حد تک مطمئن ہو چکی تھی اور اس کی آنکھوں میں مسرت کی چمک نظر آتی تھی جو اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اپنا عقیدہ کھونا نہ چاہتی تھی جو اس کے ہاتھ سے چھوٹ رہا تھا۔ مگر بحمد للہ، اب پھر اس کی گرفت مضبوط ہو رہی تھی۔ اور وہ کہنے لگی،'' آپ اللہ سے ہمارے لئے دعا کیجئے، وہ ہماری حفاظت فرمائے!''

ہم صبح پانچ بجے سفر پہ نکلے تھے اور اب رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ گویا ساڑھے بیس گھنٹے گزر چکے تھے لہٰذا بے دم ہو کر پڑ رہا۔ ابھی سونہ پایا تھا کہ فجر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ نماز ادا کر کے دو گھنٹے سونے کو ملے اور ناشتہ کر کے ساڑھے آٹھ بجے وہاں سے نکلے۔ گھنٹہ بھر سفر میں اور تین گھنٹے ہیتھرو ائیر پورٹ پر لگ گئے۔ جگہ جگہ کاغذات کی پڑتال، سامان کی تلاشی اور بے شمار تحقیقات، کہ جب سے امریکہ کا جہاز گرا ہے بہت سختی ہو گئی ہے۔ پھر ساڑھے سات گھنٹے کی پرواز جس کا حال لکھا ہے اور تین گھنٹے کینیڈی ائیر پورٹ پر کلیر ہونے اور سامان کی تلاشی وغیرہ کرانے میں لگ گئے۔ اس طرح کوئی اٹھارہ انیس گھنٹے کی کشمکش کے بعد ہم لندن سے نیو یارک پہنچ چکے تھے۔ لندن، جہاں کی زیرِ زمین ریلوے کا تذکرہ نہیں کر سکا۔ جو دنیا کی بہترین ریلوے ہے اور ماموں جان اسی میں انسپکٹر کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ شہر کے نیچے اس کا جال بچھا ہوا ہے۔ ایک منزل نیچے، پھر اس کے نیچے ایک اور منزل۔ جس پر خوبصورت ٹرینیں دوڑتی پھرتی ہیں۔ بہت سستی اور تیز رو سواری ہے۔ سستی ایسے کہ آپ پلیٹ فارم پر اُتریں تو ٹکٹ لے کر اندر داخل ہو سکیں گے۔ پھر آپ کی ہمت، کہ زیرِ زمین کب تک قیام ہے اور کتنا سفر کر سکتے ہیں۔ جب تک پلیٹ فارم کے گیٹ سے باہر نہ آئیں، دوبارہ ٹکٹ کی ضرورت نہیں۔ اور سبک رفتار گاڑی کے ہر ڈبے میں پورے زیرِ زمین سسٹم کا نقشہ لگا ہوا ہے۔ آپ پوری رہنمائی پا سکتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر یہاں نیو یارک کی زیرِ زمین ریلوے ہے۔ ہو سکتا ہے باقی تفصیل اس کے تذکرے میں کر سکوں گا۔

(بقیہ صفحہ نمبر 27 پر)

سالانہ جلسہ

2 جنوری 2015

جلسہ بعثت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضلع لودھراں

مولانا محمود خالد، بہاول پور

23 نومبر 2014ء کو ضلع لودھراں کے ماہانہ پروگرام میں محترمی جناب ناظم اعلیٰ صاحب کے دورہ کی اطلاع دی گئی، احباب میں یہ خوشخبری سنتے ہی خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ امیر ضلع لودھراں حسین احمد مدنی نے احباب کے مشورہ سے تقاضا کیا کہ اس مرتبہ جلسہ ضلع لودھراں میں منعقد کرنے کی سعادت بخشی جائے۔

14 دسمبر 2014ء کو بہاولپور کے اجلاس میں ڈویژن کے احباب کی مشاورت سے ضلع لودھراں کو یہ سعادت و ذمہ داری سونپی گئی۔ تمام احباب کو بھرپور تعاون کی تاکید اور احباب لودھراں کو ضروری ہدایات دی گئیں۔ ازاں بعد کلاس اور سلسلہ عالیہ کے احباب کی حسب ضرورت مشاورت ہوتی رہی۔

ضلعی امیر لودھراں نے احباب کی مشاورت سے جامع مسجد حضرت شاہ والی جلسہ کے لیے منتخب کی۔ یہ تاریخی مسجد 350 سال پرانی اور مغلیہ دور کی یادگار ہے۔ جلسہ کی تیاری اور بعثت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہمیت کو زیادہ سے زیادہ عوام تک پہنچانے کے لیے مختلف مقامات پر اجتماعات کیے گئے۔

جلسہ سے قریباً دس روز قبل احباب کو مختلف فرائض (بینرز، پرچم، اشتہارات لگانا، دعوت نامے لٹریچر تقسیم کرنا وغیرہ) سونپے گئے۔

اہمیت بعثتِ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تعارف سلسلہ عالیہ، تعارف مدظلہ العالی اور اہمیت و ضرورت ذکر قلبی سے متعلق لٹریچر تقسیم کیا گیا اور اشتہارات لگائے گئے۔ سیاسی و مذہبی اہم شخصیات اور معززین شہر سے خصوصی ملاقاتیں کی گئیں نیز عام لوگوں کو جلسہ کی دعوت دی گئی۔

محمود الحسن عباسی صاحب سابقہ ٹکٹ ہولڈر جمیعت علماء اسلام حلقہ NA152 کہروڑ پکا، میاں محمد ارشد ایڈووکیٹ، رانا معین نون، ملک بشیر احمد (دنیاپور) حاجی عبدالمجید آرائیں سابقہ ٹکٹ ہولڈر پاکستان پیپلز پارٹی لودھراں، مختلف طبقہ ہائے زندگی سے متعلق افراد نے جلسہ میں شرکت کی۔

دینی شخصیات میں سے جامعہ عثمان علی، بہاولپور سے مفتی محفوظ احمد صاحب، سراج العلوم، لودھراں سے مولانا محمد صاحب، دارالعلوم جلالپور خیر العلوم سے مولانا اللہ یار صاحب، قاری مختار الحق صاحب، قاری فضل الرحمن صاحب شریک ہوئے۔ مقامی علماء کرام سے مفتی قاری عبدالرحمن صاحب مہتمم مدرسہ حفظ القرآن، مفتی محمد اسماعیل صاحب مہتمم دارالقرآن، قاری محمد یعقوب صاحب، قاری بشیر احمد صاحب (فاضل دارالعلوم دیوبند)، بریلوی مکتب فکر سے میاں عبدالستار چشتی صاحب، مولانا محمد اجمل صاحب اور مدرسہ عربیہ غوثیہ کے مہتمم حاجی محمد امین صاحب ودیگر علماء وقراء حضرات نے صاحبزادہ عبدالقدیر صاحب سے ملاقات کی اور جلسہ میں شریک ہوئے۔

اگرچہ اس روز شہر میں مختلف مقامات پر سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے دو بڑے اور متعدد مقامی جلسے بھی ہو رہے تھے۔ پھر بھی عوام الناس کثیر تعداد میں جلسے میں شریک ہوئے اور جگہ تنگ پڑ گئی۔ جگہ کی کمی کے سبب کافی تعداد میں لوگ مسجد سے باہر بیان سن کر دیگر مساجد میں ادائیگی نماز کے لیے گئے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ یہ حقیر کوشش قبول فرمائے اور احباب کو مزید اخلاص سے، زیادہ سے زیادہ توفیقِ عمل نصیب فرمائے۔

قابلِ صد تکریم ناظم اعلیٰ صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا:

(بقیہ صفحہ نمبر 27 پر)

طالبات کے لیے خوشخبری

18 مارچ 2015 سے داخلہ جاری

کلاسز کا باقاعدہ آغاز 11 مئی 2015 سے

صقارہ گرلز سائنس اینڈ کامرس کالج کا اجراء

علاقہ ونہار میں نظام تعلیم میں ملٹی میڈیا متعارف کروانے والا پہلا ادارہ

کورسز:۔ F.Sc (Pre.Med)، F.Sc(Pre-Eng)، I.C.S.، I.Com، F.A.(I.T.)

نمایاں خصوصیات

- تدریس بذریعہ لیکچر سسٹم + ملٹی میڈیا
- M.Sc، M.Phil تجربہ کار اساتذہ
- ماہانہ ٹیسٹ کا خصوصی انتظام
- سٹوڈنٹس کے لیے Presentation اور Saminars کا انعقاد
- بورڈ کے امتحانات اور پروفیشنل ڈگری کی منظم اور بھرپور تیاری
- ہاسٹل کی سہولت، بہترین Mess، اعلیٰ سکیورٹی اور جنریٹر کی سہولت کے ساتھ
- لڑکیوں کی دینی ماحول میں بہترین کردار سازی

گولڈن پیکج:۔

میٹرک میں 90% سے زائد نمبرز پر مفت تعلیم	85% سے زائد نمبرز پر نصف فیس	حافظ قرآن کے لیے خصوصی رعایت

صقارہ گرلز سائنس اینڈ کامرس کالج، دارلعرفان منارہ، ضلع چکوال۔

رابطہ: 0341-0642642، 0332-8384222، 0543-562200

صقارہ ایجوکیشن سسٹم کا مرکزی ادارہ علوم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج

SIQARAH

صقارہ سائنس کالج

بزرگانِ دین کی سرپرستی بچوں کی سیکورٹی کا اعلیٰ انتظام صاف ستھرا ماحول

داخلہ 2015 برائے جماعت چھٹی تا بارھویں

سپیشل آفر

یکم اپریل سے فسٹ ائیر کی کوچنگ کلاسسز کا مفت آغاز

پری میڈیل پری انجینئرنگ کمپیوٹر سائنس اینڈ آرٹس گروپ

نمایاں خصوصیات

سیلکشن: امیدوار کا تحریری امتحان، انٹرویو اور میڈیکل پاس کرنا لازم ہے

- جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کشادہ کیمپس
- مستعد اور تجربہ کار اساتذہ
- کھیلوں کے وسیع و عریض میدان
- فیس کم، معیار اعلیٰ، بھائیوں کیلئے فیس میں خصوصی رعایت اور میرٹ اسکالرشپ
- نظم وضبط اور اسلامی شعائر کی پابندی
- والدین کو sms کے ذریعے حاضری اور امتحانی نتائج کی فوری اطلاع

داخلہ جاری ہے

پرنسپل: ملک اختر حسین ایم فل کیمسٹری۔ بی ایڈ۔ ایم ایڈ

ہاسٹل کی سہولت موجود ہے

صقارہ سائنس کالج دار العرفان منارہ ڈاکخانہ نورپور ضلع چکوال

For more Info: www.Siqarahedu.com Mob:0313-6919797 Ph:0543-56222

who were completely ignorant. So, the prescribed method is to invite people to the Magnificence of Allah(SWT),making them realize how many Divine favors and blessings they are enjoying. They must realize that Allah(SWT) ,has created the entire Universe for a reason, just as we human beings do not do anything without a purpose, this universe too, is not a futile creation. It will come to an end and a permanent life will begin in Hereafter. We must enjoy and use the Blessings of this world, in accordance with, the teachings of the Prophet(SAWS),to succeed in this life and Hereafter. So, while inviting others towards the religion, emphasis should be on this life and Hereafter. We must not force someone to believe in Islam rather our focus should be to bring them closer to the reality of the Day of Judgment and our Faith(Imaan)

We should not invite people to be influenced by our personality rather we should invite people towards the belief in the Oneness of Allah, the Holy Prophet (SAWS) his teachings(Sunnah, Ahadith) and encourage them to read and understand the Holy Quran. Human nature is such that one does not easily gets convinced, on something, especially when it is being shared by another human being. We think that we are no different from the one sharing information with us, therefore we should not believe and follow what others tell us, as authentic. Hence the best way to invite others, towards Islam, is to invite them towards believing in ALLAH (SWT) as stated by Prophet (SAWS) and in ALLAH's Book(the Holy Quran).One may start the conversation in this way"Since you are literate and professional people, kindly, read the Book(The Holy Quran) that has been sent by ALLAH(SWT) and discover for yourself the way of living mentioned in the Holy Quran. You have read many books, just add one more to your list and read Holy Quran also."We should invite all types of individuals (towards Islam) but communicate with them according to their mental aptitude and professional status so that they can understand your message .The Holy Prophet(SAWS) said that, we should talk to people, based on their mental aptitude, to get related to them during communication. The way we converse with a Phd, for example, we cannot do so with an uneducated person, as they will not be able to relate to the message and vice versa. Therefore, we should converse and invite people towards Islam in a manner which befits their mental aptitude and professional status. Remember that it is through Allah's(SWT) blessing that one gets enlightened enough to invite people towards Islam or Tasawuf. It is indeed Allah's(SWT) huge blessing that He(SWT) gives the opportunity to be able to invite people towards Islam or Tasawuf. Allah(SWT) says, talk to people in such a manner, that the invitee(listener) understands clearly that the one who is inviting him towards Oneness of Allah(SWT) and Islam or Tasawuf, is himself a servant to Allah(SWT), in all his actions, and is inviting him to submit to Allah(SWT) too. Many people, through their manipulative and convincing conversations, influence others to follow them, instead of encouraging them, to follow Allah's(SWT) Book and teachings of The Holy Prophet (SAWS).Such individuals, collect money from people, ask personal favors, and use people to achieve personal objectives. These acts are such a deception, that the individuals who conduct these acts of deviousness, not only get ridiculed in this world but also their eternal life is doomed, too. When death will engulf them, and they will be in hell, then they (deceptive individuals), will realize what they have done. Therefore mankind should be invited with love and affection towards the Greatness of Allah(SWT) and Truthfulness of the Holy Prophet(SAWS).

as it will never end.

The accomplished Sheikh Hazrat Allha Yar Khan (RUA) commented about Mansoor Halaj (RUA) that he lost his senses in the meditation of Fana Baqa (فنا بقا) . He could not find a Sheikh, who could take him to the next level with his tawajjuh (توجہ) whereby he could have remained in his senses. If a seeker remains confined in a meditation for many years, the meditation becomes so intense, that it can drive him to insanity. Hazrat (RUA) said, had Mansoor Halaj (RUA) been alive today, he (RUA) would have taken him beyond Fana Baqa, and he (Manson Halaj) wouldn't have gone insane.

Mansoor Halaj's meditation were till Fana Baqa, and this is what happened, so can we imagine the stations of the nine empyreans (منازلِ عرش) and the stations beyond that? The space beyond the empyreans (عرش) is termed as (لامکان) which has uncountable circles (دوائر) of which each has it's own unfathomable vastness. The Prophet (SAWS) explained that the entire universe (earth, heavens) are like a ring dropped in the vast expanse of a wilderness, when compared to expanse of an Arsh (عرش) .

I remember once Hazrat Allah yar Khan (RUA) told Qari sahib to stand on his station and see the earth below. He said, I see a very small thing not bigger than a mustard seed, but still I am not sure as it is not clearly visible, Qazi sahib was treading the initial circles (دوائر) of Realm of Command (عالمِ امر) at that time. However all these circles of Alam Amar also come to an end and beyond these there is a station called (بحرِ حیات) Ocean of Life. Now what is this (بحرِ حیات) ? It is an unfathomable treasure of Divine Refulgence (تجلیاتِ باری), and everything that exists in the universe, from the heavens to a mosquito, a straw of hay, has its lifeline connected to it. It is an ocean without a shore, that engulfs the universe, and nobody can asses its' depth, length or width. Life and viability is afforded from this ocean and when that connection is severed, the one at the receiving end perishes, or becomes useless.

This is a unique and novel system and, if Allah (swt) blesses someone to access such heights, that is, when he understands that Allah (swt) Alone is the Reality, nobody else even exists!

Anyway these are not topics of everyday discussions, but are related to extremely sublime exaltations. It was asked, so I answered the query, otherwise it is not a commonly narrated issue. This is Allah's (swt) extremely intricate, delicate, yet an extremely strong system which nobody can interfere with, except Allah (swt). He (swt) alone can make changes in it, or even destroy it, no one else can, dare to

Inviting People Toward's Islam

Bayan of 4th June 2014

Q-Every day we come across people from different walks of life that belong to different mental and social strata. What is the desirable way of inviting people towards religion?

A-The correct way of inviting people towards Islam is the way our Prophet (SAWS) did by inviting people to the Oneness of Allah. Even in the Prophet (SAWS) era, there were people who were poets, mathematicians, philosophers and intellectuals, in Arabia, as well as those

Question / Answers

Devine Refulgence and Beholding Allah (swt)

Translated speech of

Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

Centinued from previous month

Q.2: Kindly elaborate the terms (Attributive Refulgence)(تجلیات صفاتیہ) and (تجلیات افعالیہ)

Ans. It is to be understood that (تجلیات افعالیہ) are a component of (تجلیات صفاتیہ) The Refulgence which was sent upon Hazrat Moosa (AS) was (تجلیات افعالیہ) in kind, as because of it, his (AS) heart was strengthened, his (AS) speech became effective and his hand was bestowed with miracles. What in turn was, the purpose behind all this? It was, to go unto Pharoah and invite him to the right path, thus fulfilling the pretext (اتمام حجت) . Therefore, when any action follows a display of Refulgence (تجلی), then we will count it as (تجلیات افعالیہ) . Whereas, when a Refulgence (تجلی) is sent merely, to strengthen some one's heart, with peace and serenity, it will be called as (Attributive Refulgence) (تجلیات صفاتی); Allah (swt) may unveil an aspect of His Splendour unto someone. So we cannot measure the vastness of Allah's Attributes because His (swt) Attributes are also unlimited as His (swt) Being. Since, He (swt) has been, from the very beginning and will always be, so are His (swt) Attributes. There is not a single attribute which was missing earlier, and added later on to His (swt) Being. Just the way His (swt) Being is, so are His Attributes. Just as we can't measure His Being, we can never measure His (swt) Attributes also. The Refulgence sent unto saints (صوفیا) cannot be defined as Personal Refulgence (تجلیات ذاتیہ) . Whatever, they are blessed with, simply elevates their status, their courage and capacity to work. This kind of Refulgence (تجلی) which strengthens and pacifies the heart are of (تجلیات صفاتی) kind, while the Refulgence that result in better performance, in the propagation of Islam, and enhance the capacity to work are (تجلیات افعالیہ) in kind. In other words the Refulgence (تجلی) is named according to the way, it propels the seeker to work more in Allah's Cause. Otherwise all kinds of Refulgence belong to Him (swt), alone; Only He (swt) is forever, rest is all perishable. He (swt) alone is the ultimate reality while everything else is a temporary tale!

These matters are very exalted; the Prophets (AS) the companions (RAU), the Tabaeen and Taba-Tabaeen have their own ranks. Nobody from the later eras can even imagine to reach their exaltation, or even witness it, nor can ,explain it. Obviously when they cant witness it, how can they explain it.

The meditations (مراقبات) are unlimited, and the vastness and expanse of each mediation (مراقبہ) is so extensive, that if a seeker is not taken out of it by a Sheikh (sufi master), to the next meditation, he can never cross it. Even if he lived for millions of years he would still he treading within the same meditation,

residents of the locality would be influenced by the recitation and accept Islam.

On the very first day, a place was selected in the Holy House for the offering of Salah and for Zikr and meditation. The next day during Zikr after Maghrib Salah,in the Maraqbah of Masjid-e Nabvi saws, the Holy Prophet saws informed them:

"The location for Salah and the renting of the house was not by coincidence, but was ordained for you to follow the Sunnah. The place selected for Salah was where Hazrat Isma'eel-(as) and Hazrat Hajrah-rau had alighted when they first arrived here, and you were made to follow the Sunnah Siddiqui-rau, as this was the path he took when coming to the Holy House.This was ordained to further strengthen your Qalb's connection with them".

One day,Hazrat Ji-rua informed the Ahbab,while they were seated in the Holy House:

The Lights of countless Prophets(as) can be seen in Mataaf. Approximately 99 Prophets(as) are buried here, who came before the building of the Ancient House and the springing forth of the Well of Zamzam, and they died here. It seems that the Prophets(as) of the nations that were punished by the Wrath of Allah, came here before the descent of the Wrath, lived and answered the call of Death here'.

He further said,

'There are about 15 Sahib-e Kitab (the receivers of the Divine Books/ Scriptures) Messengers-(as).The Lights of many Prophets can be seen in a row,from the Door of the K'abah to the Station of Ibrahim-(as) .Just below the Door of the K'abah Hazrat Hood(as) is buried. Next to the Station of Ibraheem (as),Hazrat Salih(as) is buried'.

As Hazrat Ji-rua was mentioning various Prophets (as), a Sathi started reciting the verses of the Holy Quran, where the names of the Prophets-(as) are mentioned. On this occasion, the Ahbab with spiritual insight beheld a strange vision whichever Prophet was mentioned in the verses, the lights (coming) from his grave site further intensified,and as such his burial place would be confirmed .At about three meters distance from the Rukn-e Yamani towards the Hajar-e Aswad, is the burial place of Hazrat Daood (as) .In the Hateem,Sayyedena Hazrat Isma'eel as and Sayyedah Hajrah rau are buried. When the honour of, spiritually conversing, with some Prophets(as) was granted, they did not give their name, but only said' ,I am a Messenger of Allah-(swt)'.The reason understood for this concealment, was that, their illustrious names had not been mentioned in the Holy Quran.

It was also understood from this that, apart from the names of Prophets,mentioned by Allah (swt) and His Messenger-(saws) ,it would be incorrect to contrive any names for other Prophets, be it according to Jewish tradition, Hindu legend or other historical account; what to speak of altering the names of the Prophets from those mentioned in the Quran,like Joseph(Yousaf-as), David (Daood(as)) etc. Astaghfirullah' !Quoting Kufr is not Kufr in itself..'

Continued

Certain historical accounts, concerning the burial places of these Prophets-(as),also differ from this narration. For example, the burial place of Hazrat Isma'eel as is said to be in Hebron (Palestine) similarly it is said that Hazrat Salih as is buried in Palestine about 70kilometres from the Bait-al Maqdas. But, in the absence of any conclusive proof, it is impossible to say anything regarding the authenticity of these legends. At the most they can be ranked/ categorised as'Jewish traditions, which in itself are highly contested'.And Allah knows best.'

in the Silsilah Naqshbandiah Owaisiah.

The Table does not Leave

Hazrat Ji rua's stopover at Karachi was fairly extended. There were no seats available for Dhahran before the 24th January 1971 .During this period, Mufti Ghulam Samdani, who was also undertaking the journey with HazratJi-rua happened to ask',Hazrat, how does the Shaikh withhold(his)Faiz(beneficence')

Hazrat Ji-rua asked',What is this in front of you'

Mufti Sahib replied,'Hazrat, it is a table'.

Hazrat Ji rua ordered',Mufti Sahib, hold this table'.

After this incident, Mufti Ghulam Samdani presented himself before Hazrat Ji rua at the annual Ijtema' in Munara, and after gathering his courage pleaded, 'Hazrat this table doesn't leave me. Please grant me relief from this table'.

Hazrat Ji-rua was very sad after hearing this and said'This means that you have lost one whole year.This happened because you questioned me'.

Hazrat Ji-rua relieved Mufti Sahib from the table by his Tawajjuh, the descent of blessings commenced once again, and in one sitting Hazrat Ji rua advanced him through many stations, which otherwise would have taken him an age.

They left by PIA on the night of the 2 4 /25th January 1971 for Dhahran, where they arrived approximately 3a.m. After completing the formalities of Customs, they offered the Tahajjad Nawafil and changed into their Ihraam (Pilgrim garb.)Then they boarded a Saudi Arabian flight at 7a.m. for Jeddah. The flight arrived at Jeddah at approximately 10a.m.,after a brief stopover at Al Riyadh airport. After passport clearance they left for Makkah Mukarramah by mini bus, where this caravan arrived by the time of the Zohar Salah. After completing the formalities at the Mo'allim's premises, there was still time for the Azaan for the Asr Salah. Reciting the Talbiyah, they entered the Holy K'abah:

Labbaik Allahumma Labbaik

Here I am, O my Allah!I am indeed here!

I am here! You that have no partner,here I am!

Indeed Praise, Bounty, and Sovereignty,all belong to You!

You(that) have no partner!

Here I am......

In response, a voice declared:

Marhaba, Ahlan Wa-Sahlan(Welcome!)

There were some fortunate ones among the Sathis who were able to hear these words of welcome. After completing the Tawaaf(Circumambulating the Holy K'abah seven times) and Sa'ai (the seven rounds between the hills of Safa and Marwah,) when they reached the Maqam-e Zamzam, the rows began forming for offering Asr Salah, and in this way they found their place for their first Salah at the Holy House,in front of the Door of the K'abah. After Salah, they returned to the Mo'allim's premises. Due to lack of sleep, exhaustion from the journey and the day's formalities, Hazrat Ji rua had started running a temperature. The first night was spent at the Mo'allim's premises, but as the rent there was exorbitant, the following day some alternate accommodation was sought. After a little effort, as Grace from Allah (swt), a house was found at a very convenient rent, on a street off the Shahrah Abu Bakr Siddiq rau, with a wall adjoining the Masjid of Hazrat Abu Bakr Siddiq-rau.Most likely this was the same Masjid, which is mentioned in a detailed and extensive Hadees in the Bukhari Sharif, where Sayyedena Siddiq-e Akbar-rau would recite the Holy Quran,and the Kuffar of Makkah had stopped him,as they feared that the

Hayat-e-Javidan Chapter 24

A Life Eternal(Translation)

FromPreviousMonth **Fulfilment of theHajj Obligation** Continued

The responsibility of obtaining the passports now was given to Major Ghaus.There was no time to conform strictly to the rules, nor was it possible to summon the Ahbab to Lahore.Ghaus asked them for their particulars and after compiling all the forms, signed them himself. Rather, while signing for Hazrat Ji rua, he also added the words'signed personally'.Being unable to obtain a photograph of Maulana Abdul Haq Joharabadi, he pasted the photo of someone similar to him on the application form, which was later changed for the real one.

At that time, the Director of Passports was greatly upset because of a departmental inquiry in progress against him;his tension heightened alarmingly whenhe saw Ghausarrive dressed in his army uniform. He thought that perhaps an Army inquiry was going to be instituted as well. By chance,Ghaus was accompanied by a Military Police officer, from whom he had obtained a lift to come here.Their officious arrival,served like oil poured on fire for his anguish, but when he discovered that these gentlemen had only come to procure passports, his relief at this deliverance was boundless. He immediately summoned the stenographer and personally got all the forms completed. Instead of prior approval of Police, Ministry of Finance and authentication by PIA for the issuance of the tickets, Ghaus's certificate and his seal proved sufficient, and in this way, the predicament regarding the issuance of passports was over come in one sitting. And how could it have been otherwise Departmental restraints and other regulations could not have stood in the way,after the Summons, which emanated from the Holy Prophet saws.

Before departing for Hajj, Hazrat Ji-rua settled all his monetary and business matters.Much before they were due for return, he paid back the loans of all his relatives,which he had borrowed in 1969 to invest in the mining business.Hazrat Ji rua was very particular about his monetary and business affairs and would often advise the Sathis to be extra careful about their dealings,as the multitudes were seen undergoing punishment in Barzakh, because of these dealings. He also provided financial assistance to Maulvi Sulaiman for his Hajj expenses.

Nazim-e A'ala

According to the set itinerary, Hazrat Ji-rua, along with the Ahbab, boarded the train on the 18th of December 1970.The train was still at the Lahore Railway station when Hazrat Ji-rua announced, 'The Masha'ikh have ordered that Hafiz Abdur Razzaq should be appointed the Nazim-e A'ala of the Silsilah, and all future correspondence should be addressed to him'.

This was the first step that was taken towards the organization of the grand Silsilah on the orders from the Masha'ikh. In this way it took Hafiz Sahib, who was appointed the head of the Jama'at-eIslami Rawalpindi Division in 1941,three decades to reach this station

Jamadiul Sani / Rajabuk Murjab 1436h

April 2015

الله رسول محمد

ماہنامہ

المرشد

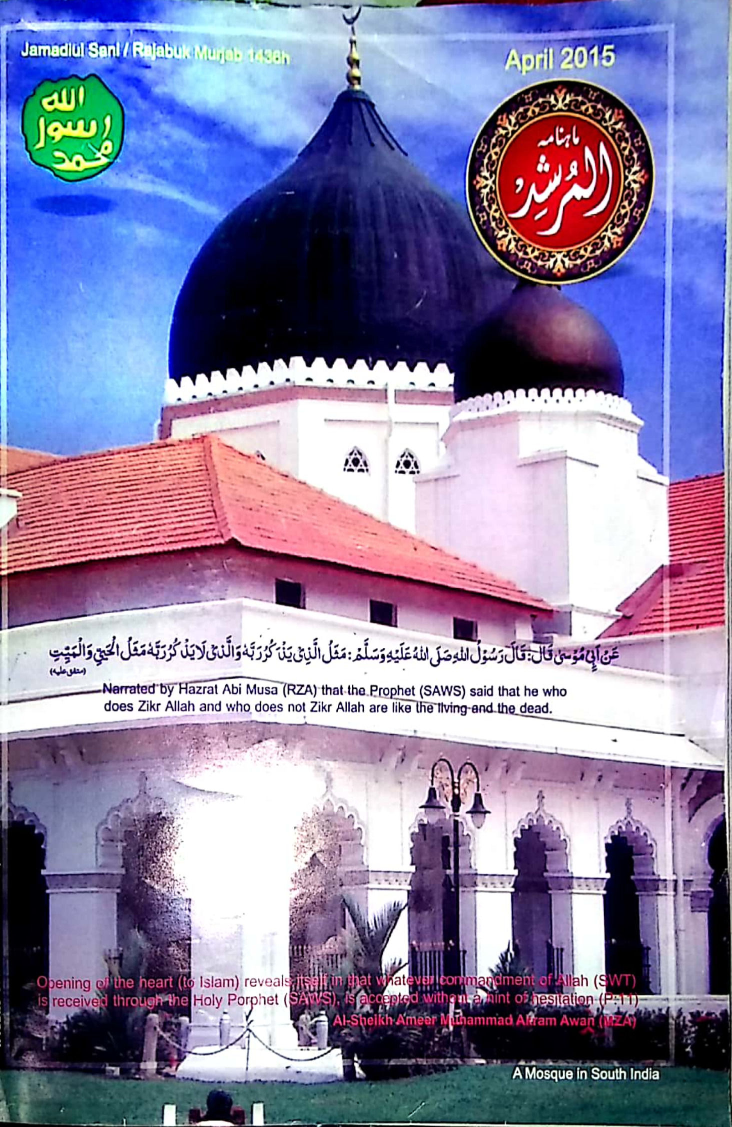

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ رَبَّہٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ (متفق علیہ)

Narrated by Hazrat Abi Musa (RZA) that the Prophet (SAWS) said that he who does Zikr Allah and who does not Zikr Allah are like the living and the dead.

Opening of the heart (to Islam) reveals itself in that whatever commandment of Allah (SWT) is received through the Holy Porphet (SAWS), is accepted without a hint of hesitation (P:11)

Al-Sheikh Ameer Muhammad Akram Awan (MZA)

A Mosque in South India

www.QuranTafseer.net

الحمد للہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو ویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور اپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم و مفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا اپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255